ماہنامہ
کرن
سالگرہ نمبر
اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب
خوش ذائقہ پکوان
عفت

مکمل ناول

فرحت چوہدری

جھالری نظر نا چھپا لیکن

خوب صورت اور جدید طرز کے بنے ہوئے کشادہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا رادیہ کا ہاتھ چند لمحے ہوا میں ساکن رہا، ذہن میں سوالوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ کیا کرے کیا نہ کرے کے مابین پھنس کر رہ گئی تھی۔ اگر آگے بڑھتی ہے اور اس وسیع و عریض پھیلی ہوئی کوٹھی کے اس بے جان اور مضبوط لکڑی کے دروازے کے اس پار اگر کوئی نیک دل، ہمدرد اور معاملے کی نوعیت کو سمجھنے والا شریف النفس شخص مل گیا تو اس کی ساری پرابلمز سولو ہو جائیں گی اور اس سوچ نے اس کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔

ایک سیکنڈ کے لیے وہ ذہنی طور پر ہلکی پھلکی ہو گئی تھی اس لیے اب تک ہوا میں معلق نازک ہاتھ کو سرعت سے دروازے کی ناب کی طرف بڑھایا مگر ابھی پوری طرح گھمایا بھی نہ تھا کہ نئی سوچ نے اسے ہلا کر رکھ دیا اگر میری سوچ کے برعکس سب کچھ ہوا اور اندر موجود شخص بھی اس کوٹھی کی دیواروں کی طرح بے رحم، لال اینٹوں کی طرح سرد اور اس دلکش نقش و نگار والے دروازے کی لکڑی کی مانند سخت مزاج اور اکھڑ نکلا تو، تب کیا ہو گا اف کتنی باتیں اس کو سننا پڑیں گی۔ اس شخص کے منہ میں جو آئے گا بولتا چلا جائے گا، کون روک پائے گا اسے؟ میری التجائیں یا بے بسی کے آنسو۔؟

اونچے اونچے گھروں میں رہنے والے یہ دولت مند لوگ نہ جانے خود کیوں اتنے اونچے نہیں ہوتے، بے کس و مجبور لوگوں سے ہمدردی تو درکنار انہیں حقارت سے دیکھتے ہیں ان کی بے چارگی کو ان کی ڈرامے بازی پر محمول کرتے ہیں، تو کیا میری مجبوری کو بھی ڈراما یا چالاکی سمجھا جائے گا۔ اس کی تحقیر و ذلیل کر دینے والی گفتگو کو سر جھکائے سنتی رہوں گی اتنی بے عزتی۔

اور ایک دم ہی تمام مجتمع کی ہوئی ہمتیں دم توڑ گئیں، چہرے کا رنگ اڑ گیا اور خوب صورت آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تو اس نے مجبوراً اسی حالت میں کھڑے کھڑے ایک قدم واپسی کے لیے اٹھا لیا مگر پیچھے کھڑے بڑے بڑے مسئلوں نے اسے دوسرا قدم اٹھانے سے روک دیا۔ اگر اب یونہی چلی گئی تو کل بھی

Digest Novels lovers group

تو آنا ہی ہو گا اپنی فریاد سنانے، تو پھر آج ہی کیوں نہ اس امتحان سے گزر لیا جائے۔ دیکھتے ہیں قسمت اب کے مہربان ہوتی ہے یا نہیں۔

خان بابا تو کہہ رہے تھے کہ بہت اچھے آدمی ہیں کاش اچھے انسان بھی ہوں۔

اس نے ایک بار پھر اپنی ہمت باندھی اور بھاری دروازے کو آہستہ سے دھکیلتی خوفزدہ سی اندر آ گئی دل ہی دل میں اپنے اللہ سے مدد مانگ رہی تھی کہ وہ شخص نرم دل کا مالک ہو اگر نہیں ہے تو بس آج کے دن کے لیے بلکہ ابھی تھوڑی دیر کے لیے اس کا دل نرم و گداز کر دے۔

''آئی ڈونٹ وانٹ ٹو ہیئر اینی ایکسکیوزز، سینڈی، فل دی ٹیلز ایمی ڈیٹلی۔'' گرجدار، بھاری برہم آواز یک لخت امپورٹیڈ چیزوں سے ڈیکوریٹ کیے ہوئے وسیع ہال نما ٹی وی لاؤنج میں گونجی تو رادیہ مارے خوف کے قریب رکھی گولڈن عربی اسٹائل کی صراحی سے ٹکرا گئی اور وہ کانپتے ہاتھوں سے اس غیر متوازن ہوتی نازک سی صراحی کو اس کے اسٹینڈ پر جما رہی تھی کہ کرخت آواز نے اسے ڈرا دیا۔

''واٹ آر یو ڈوئینگ۔'' گاؤن پہنے، ہاتھ میں موبائل دبائے، وہ چھ فٹ لمبا شخص سپاٹ چہرے اور غصیلی نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا اور رادیہ کی اس اچانک آمد سے روح فنا ہو گئی تھی۔

''نو میں۔'' ساتھ ہی نفی میں سر ہلایا۔ ٹانگیں بے جان ہو گئی تھیں اور آواز مردہ ہو گئی تھی۔

''تم ادھر ہی رکو ایک منٹ میں پولیس کو بلاتا ہوں۔''

چہرے کی سپید رنگت سرمائل ہو گئی۔ ماتھے کی نیلی رگ ابھر آئی اور آنکھیں سکڑ کر اس کی زرد ہوتی رنگت کو مزید پیلا کر رہی تھیں۔ اس بے حس شخص نے کوئی مجبوری سنے بغیر اس کے آنے کا مقصد جانے بغیر اس پر چور کا لیبل لگا دیا تھا، سچ ہے غریب کی غربت اور مفلسی اس کے چہرے اور حلیے سے عیاں ہو جاتی ہے۔ اپنی اس توہین پر اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''پلیز ویٹ، آئی ایم ناٹ تھیف، پلیز بلیو می پلیز۔'' پولیس کا نام سن کر اس کا نازک وجود لرز کر رہ گیا تھا اس لیے گڑگڑا کر بولی۔

موبائل کے نمبروں پر حرکت کرتی اس کی انگلیاں ساکت ہو گئیں، حقارت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''اور تم لوگوں کو اتنے مینرز نہیں آتے کہ کسی کے گھر بغیر اجازت داخل نہیں ہوتے۔'' تحقیرانہ لہجے نے مزید شرمندہ کیا۔ اس کی صاف اردو سے رادیہ کو حوصلہ ہوا کہ وہ با آسانی اپنا مسئلہ بتا سکے گی۔

''میں نے مین گیٹ کی ڈور بیل بجائی تھی انٹر کام پر کسی نے اندر آنے کا کہا تو۔'' رادیہ ہکلاتے ہوئے اپنی شرمندگی مٹانے کے ساتھ ساتھ صفائی پیش کر رہی تھی۔

''تو گیٹ ٹو دا پوائنٹ کیا کام ہے۔'' بیزار کن لہجے میں پوچھا انداز جھلایا ہوا تھا۔

''میں آپ کے سرونٹ کوارٹر میں رہتی ہوں لیکن کچھ پرابلمز ایسی ہو گئی ہیں کہ میں اس ماہ کا کرایہ نہیں دے سکتی آپ اگر'' اس کی کمزور اور نحیف آواز کو گونجدار اور درشت آواز نے دبا دیا۔

''ناٹ اگین، لک ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میں خان بابا کو بتا چکا ہوں کہ تمام کرایہ داروں سے کرایہ مہینے کے فرسٹ ویک میں لے لیا کریں اور تمام سچویشن کو وہ خود ہینڈل کیا کریں اگر میں روز تم لوگوں کے قصے کہانیاں سننے بیٹھ جاؤں تو چل چکا میرا بزنس تمہارا جو بھی پرابلم ہے وہ تمہارا ہے۔ اٹ از ناٹ مائی ہیڈک۔''

سپاٹ لہجے میں بولتا وہ شخص ماربل اسٹینڈ پر رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے پر غصے سے مڑ گیا۔ گھٹن زدہ ہال کی خاموشی نے جامد و ساکت کھڑی رادیہ کے اندر ڈھیروں بے سکونی اور حیرت بھر دی تھی اور وہ متحیری پریشانی کے عالم میں اس اونچے لمبے چوڑے پتھر دل شخص کو دیکھ رہی تھی جس نے اس کی پوری بات سننا بھی گوارا نہیں کیا تھا وہ جو پورے چار دن سوچ بچار میں گزارتی رہی تھی، چار راتوں سے سو نہ پائی تھی کرایہ ادا نہ کرنے کی فکر نے اس کو اسکول میں بھی ڈسٹرب کیے رکھا تھا، کلاس میں وہ غیر حاضر دماغی سے پڑھاتی رہی تھی۔ اس ایک مسئلے نے اسے ہلکان کر

رکھا تھا اور یہ اس شخص کے لیے بہت چھوٹی بات تھی۔ بہت معمولی۔

واقعی ہماری مجبوریاں ان کے نزدیک تو قصے کہانیاں ہی ہیں مگر شاید ان کے ہائی اسٹینڈرڈ سے میل نہیں کھاتیں اس لیے یہ لوگ ان سے لطف اندوز نہیں ہو پاتے الٹا جھنجلا جاتے ہیں۔

فون پر بات کرتے کرتے اچانک ہی وہ مڑا تھا اور کالی چمکدار آنکھوں کو جس انداز سے اس نے سکیڑا تھا اس شخص کو لب کشائی کی ضرورت نہیں پڑی تھی' آنکھیں اس کے دل کی بات کہہ رہی تھیں "گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔"

رادیہ سے مزید ذلت برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا اس ایک نگاہ کے بعد' اس لیے اپنی بدقسمتی اور بے کسی پر ماتم کرتی' اس بے عزتی اور خواری پر خون کے آنسو روتی اپنے کوارٹر کی طرف چل دی۔

"اے میرے مالک اور کتنی آزمائشیں تو نے مجھ بدنصیب کی قسمت میں لکھ دی ہیں کب کب اور کہاں کہاں مجھے ذلیل و رسوا ہونا پڑے گا کیا ہمیشہ ہی تمام در مجھ پر یونہی بند ہوتے رہیں گے جس طرح تو نے اپنی رحمتوں کے دروازے مجھ پر بند کر دیے ہیں کب تو میری خطا کو معاف کرے گا۔ میں نے تو سنا ہے کہ تو غفور و رحیم ہے ریت کے ذروں کے برابر گناہوں کو بھی معاف کر دیتا ہے میری تو بس ایک خطا ہے مگر شاید وہ اتنی سنگین اور بڑی ہے کہ معافی مجھے نہیں مل سکتی اور ویسے بھی مجھے وہ ہی معاف کرے گا جس کی میں مجرم ہوں جس کا میں نے دل دکھایا پھر بھلا مجھے کیسے خوشیاں نصیب ہو سکتی ہیں میں شاید ہمیشہ ہی یونہی مایوس اور نامراد رہوں۔"

اپنی کی ہوئی غلطی یاد کر کے وہ سجدے میں گڑگڑا کر رو پڑی تھی' آج کے واقعے نے ایک بار پھر رادیہ کو تنہا ہونے کا احساس دلا دیا تھا آج اگر وہ اپنوں میں ہوتی تو یوں بے یارومددگار نہ ہوتی اپنوں کی تسلی کے دو بول ہی دل کا بوجھ ہلکا کر دیتے ہیں۔ ان کے بیچ رہ کر زندگی اتنی دشوار نہ ہوتی جتنی اب اس کی تھی جہاں اس کے آنسو پونچھنے والا کوئی نہ تھا اس کے دکھ کو بانٹنے والا کوئی ساتھی نہ تھا۔ زندگی کی صعوبتیں برداشت کرنے اور ہمت بندھانے والا کوئی دوست نہ تھا۔ بس اپنی ایک لغزش سے زندگی کے لق و دق صحرا میں تنہا رہ گئی تھی۔

"ماما' ماما۔" نرم اور شیریں آواز نے رادیہ کے ہلکورے لیتے جسم کو چونکا دیا' غم کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے دل پر اس مٹھاس بھرے لفظ نے پھایا رکھ دیا تھا اپنے چہرے کو چادر سے رگڑ کر اور اپنی غمگین اور ملول زدہ کیفیت کو چھپاتے ہوئے جبراً" مسکرائی۔

"جی بیٹا بس آ رہی ہوں۔"

"آپ کیوں رو رہی ہیں ماما۔" جاپانی گڑیا کی طرح گول مٹول سی ننھی فیری نے رادیہ کی گردن کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

"نہیں جان ماما رو نہیں رہی تھیں' بلکہ دعا مانگ رہی تھی۔" رادیہ نے اس کے گھنگھریالے کالے بالوں کو چھوٹی سی پیشانی سے پیچھے دھکیلتے ہوئے آہستگی سے بتایا۔

"پاپا کے لیے دعا مانگ رہی تھیں' کب آئیں گے میرے پاپا۔" بھولپن سے کیا گیا یہ سوال ہمیشہ ہی اس کا زخم کرید دیتا تھا۔ فیری کی نیلی کانچ سی آنکھیں اس بے وفا شخص کی یاد دلا جاتی تھیں جو فاتح تھا محبت کے تمام وعدے توڑنے والا اس کا دل اور اعتبار توڑنے والا' محبت کے تاج محل کو توڑنے والا فیری کے ساتھ مضبوط اور خوب صورت رشتے کو توڑنے والا وہ شخص شاید صرف توڑنا جانتا تھا' ٹوٹنے کے بعد کتنی تکلیف اور اذیت ہوتی ہے' وہ اس سے انجان تھا اسی لیے تو رادیہ کی ذات کو توڑ پھوڑ کر کتنے سکون سے اس کی زندگی سے نکل گیا اور ان دونوں کو اپنی زندگی سے ہمیشہ کے لیے بے دخل کر دیا جیسے کبھی کوئی واسطہ ہی نہ رہا ہو۔

کوئی تعلق رکھنا چاہے تو ہزار راہیں نکل آتی ہیں' کوئی نہ کوئی سبب بن ہی جاتا ہے مگر یہ تو تب ہوتا ہے جب کوئی چاہے۔

"ماما" فیری کی آواز نے رادیہ کو سوچوں کے گرداب سے باہر کھینچ لیا۔

"میں جانتی ہوں کہ میری جان کو بہت زیادہ بھوک

لگ رہی ہے اور میں نے اپنی گڑیا کے لیے چینی والے چاول بنائے ہیں‘ اس کی پسند کے‘ آپ یہیں بیٹھیں میں لے کر آتی ہوں۔“

رادیہ اکثر و بیشتر فیری کے سوال کو ٹال جایا کرتی تھی‘ اس کا دھیان اپنی باتوں سے ادھر ادھر ہٹا دیتی تھی رادیہ خود میں اتنی ہمت پیدا نہیں کر پاتی تھی کہ وہ اس معصوم کو بتائے کہ اس کے پپا کبھی نہیں آئیں گے کیا گزرے گی اس کے ننھے سے دل پر معصوم ذہن کو کیسا شدید دھچکا لگے گا۔ یہ سوچ کر ہی اس کا کلیجہ کٹ کر رہ جاتا تھا اس لیے رادیہ نے یہی مناسب سمجھا کہ ابھی اسے حقیقت نہ بتائی جائے۔

بان کی عام کھردری سی چارپائی پر فیری کو اپنے پہلو میں لٹائے رادیہ ان ہی سوچوں میں غرق تھی کہ ذہن کے پردے پر قہر آلود نگاہ ابھری‘ اور رادیہ نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ احساس توہین پھر سارے وجود میں پھیل گیا۔ خدا بھی کیسے کیسے کمال لوگ پیدا کرتا ہے ہر ایک کو منفرد فن اور صلاحیت سے نوازتا ہے۔ کوئی اپنی زبان کے زہر بار نشتروں سے بے عزت کرتا ہے‘ تو کسی کی فقط ایک نگاہ یہ کام کر جاتی ہے‘ اف کس قدر ذلیل کر دینے والی نظر تھی اس شخص کی جیسے وہ اس کی زر خرید لونڈی ہو۔ تو کیا اب اس کی وقعت یہ رہ گئی ہے کہ ہر کوئی اس کو بے عزت کرنے میں حق بجانب ہے‘ لیکن میں کوئی مفت میں اس کے گھر میں نہیں رہ رہی کرایہ دیتی ہوں۔

کرائے کے لفظ پر اس کے جسم میں دوڑتا گرم خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ حقارت و نفرت سے بھرپور اس نگاہ نے تمام رات اس کو بے چین کیے رکھا گرم دنوں کی صبح کا تپتا سورج اس کے سامنے ایک سلگتا ہوا سوال بن کر ابھرا تھا کہ کرائے کے پیسے کا انتظام کیسے کیا جائے۔

......*

”مائی ڈیئر آخر کب تک یہ مشکل ترین زندگی گزارنے کا ارادہ ہے تمہارا‘ تم دھان پان سی نازک سی لڑکی اور یہ سنگلاخ چٹان نما زندگی تم کبھی بھی کسی بھی وقت ہار سکتی ہو ٹوٹنے سے بہتر ہارنا ہوتا ہے کیونکہ انسان خود سے تھک کر ٹوٹتا ہے تو پھر تمام خوشیاں روٹھ جاتی ہیں زندگی بے معنی ہو جاتی ہے۔ خواہشات مٹ جاتی ہیں اور آرزوئیں دم توڑ دیتی ہیں ۔ یہ زندگی نہیں ہوتی اس طرح فقط دن پورے کیے جاتے ہیں‘ ابھی وقت ہے تھام لو کسی کا ہاتھ گئی بہاریں ایک بار پھر زندگی کی نوید لے کر لوٹ آئیں گی۔“

مسز حیدری کو سانولی سی رادیہ بہت اچھی لگتی تھی وہ اس کے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی جانتی تھیں اس لیے مخلصانہ مشورہ دے رہی تھیں۔

”فی الحال تو آپ کی اس مہربانی و عنایت نے مجھے زندگی بخش دی ہے۔ آگے کی فی الحال میں سوچنا نہیں چاہتی۔ آپ جانتی ہیں آپ کی اس مدد نے میری کتنی بڑی مشکل حل کر دی ہے۔ میں جلد از جلد لوٹانے کی کوشش کروں گی۔“ رادیہ ہاتھ میں تھامے نوٹوں کو دیکھ کر عاجزی سے بولی۔

”اس کا مطلب اب کی بار بھی میرا سمجھانا بیکار گیا۔ خیر جب تمہارا ارادہ بدلے تو مجھے ضرور بتانا اور پیسوں کی واپسی کی فکر کو خود پر سوار مت کرلینا کوئی اتنی جلدی نہیں جب ہوں گے لوٹا دینا میرا اگلا پیریڈ ہے تمہارا فری ہے اس لیے کچھ دیر کے لیے اپنے منتشر اعصاب کو پرسکون کرو تھکے ہوئے ذہن کو فریش کرو پھر ملیں گے بائے۔“

مسز حیدری ہمیشہ کی طرح اسے ہدایت کرتیں کامن روم سے باہر نکل گئیں جبکہ رادیہ ریلیکس ہونے کے لیے کالے چمڑے کے صوفے کی بیک کے ساتھ ٹیک لگا کر اور سر کو پیچھے جھکا کر آنکھیں موند کر بیٹھ گئی۔ کئی گھنٹوں کے بعد تو ذہنی سکون ملا تھا۔

”محترمہ کس سے دن دھاڑے یوں خیالوں میں ملاقات کی جا رہی ہے۔“ لیلیٰ کی شوخ آواز پر رادیہ دھیرے سے مسکائی۔

”اول تو ایسا کوئی مسئلہ میرے ساتھ ہے نہیں میرے مسئلے دوسری نوعیت کے اور بڑے گمبھیر ہوتے ہیں یہ تم اچھی طرح جانتی ہو‘ دوسرے اگر خیالوں میں کسی سے مل بھی لیا جائے تو اس کے دو فائدے ہوتے ہیں ایک تو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی حتیٰ کہ اسے

Digest Novels Group

بھی نہیں جس سے ملاقات ہوتی ہے' دوسرا فائدہ پکڑے اور دیکھے جانے کا ڈر نہیں ہوتا اور اس طرح بدنامی سے بچے رہتے ہیں جس کی تمہیں چنداں فکر نہیں کہاں تھیں تم کل۔" رادیہ نے تاسف سے لیلیٰ سے پوچھا۔

"اس کا مطلب ہے ہم سے پہلے ہمارے چرچے یہاں پہنچ چکے ہیں۔ یار میں ان دقیانوسی خیالات کی مالک عورتوں سے تنگ آگئی ہوں تو یہ حد ہوتی ہے تنگ نظری کی بھئی دوستی تو ہوتی ہے چاہے میل سے ہو یا فیمیل سے کیا فرق پڑتا ہے مگر ان کے نزدیک تو یہ بے حیائی اور گناہ کبیرہ ہے۔" لیلیٰ خود کو سدھارنے کی بجائے دوسروں کو نیرو مائنڈڈ کہہ رہی تھی۔

"تو یہ دوست کیسا تھا تمہارا اور پھر اسکول سے چھٹی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" رادیہ نے لیلیٰ کا موڈ بحال کرنا چاہا۔

"یار اس کی سالگرہ تھی فائیو اسٹار ہوٹل میں اس نے ڈنر دیا اب اس کے اسٹینڈرڈ کے مطابق گفٹ لینا تھا پھر خود کو اس کی سوسائٹی کے فرینڈ کے مطابق تیار کرنا' وقت تو لگتا ہی نا اس لیے میں نے اسکول گول کر دیا' مگر تم تک یہ خبر کس نے پہنچائی۔" لیلیٰ رنگے ہوئے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ایک اور تہ جماتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولی۔

"شاید مسز ہمایوں کے دیور کا کوئی دوست بھی اس پارٹی میں شریک تھا اور ٹیچرز کی تصویریں ہمارے تمام اسٹوڈنٹس کے پاس موجود ہوتی ہیں اس لیے وہ تم کو پہچان گیا اور پھر بات پھیل گئی' کیا ضرورت ہے تمہیں اس طرح کی پارٹیز میں جانے کی جو صرف بدنامی کا باعث بنتی ہیں کم از کم یہ تو خیال رکھا کرو کہ تم ایک مقدس پیشے سے وابستہ ہو' ہم یہاں بچوں اور بچیوں کو اچھائی برائی کی تمیز سکھانے آتے ہیں ان کو اچھی عادتیں اپنانے اور اعلیٰ اوصاف اپنانے کی ہدایت کرتے ہیں تاکہ وہ ایک اچھے انسان بن سکیں۔ اگر ہم خود ہی غلط ہوں گے' سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہوں گے تو ہم ان کو کیسے سدھار سکتے ہیں۔ ہمارا کردار دیکھ کر بہت سے بچے مرعوب ہو جاتے ہیں اور ہم جیسا ہی

۲ نئے ناول

دل دیا دہلیز

رفعت سراج کا ناول جو چار سال اور دو مہینوں تک خواتین ڈائجسٹ میں چھپتا رہا۔ کتابی صورت میں چھپ کر تیار ہے۔ بہنیں منی آرڈر بھیج کر منگوا سکتی ہیں۔

قیمت :- =/600 روپے

شعاع میں چھپنے والا ماہا ملک کا ناول

جو چلے تو جاں سے گزر گئے

جو بے حد پسند کیا گیا۔ اب بہنوں کی فرمائش پر کتابی صورت میں چھپ کر تیار ہے۔

قیمت :- =/150 روپے

اس پتے پر خط لکھیں۔
مکتبہ خواتین ڈائجسٹ۔ اردو بازار کراچی

یا

بتہ ذیل سے دستی خریدیں۔
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار کراچی

فون :- 216361

بننے کی خواہش کرتے ہیں ہم ایک طرح سے ان ناپختہ ذہنوں کے لیے آئیڈیل ہوتے ہیں۔"

"پلیز نو مور لیکچر یار' ایسا کیا کر دیا ہے میں نے جو تم لوگ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئی ہو' یار اپنے دوست کی سالگرہ پر ہی تو گئی تھی۔ کوئی ڈیٹ تو مارنے نہیں گئی تھی میں اور پھر یہ میری زندگی ہے میں جس طرح چاہے گزاروں' تم لوگوں کو پرنسپل صاحب کو بورڈ ممبرز کو' بچیوں کے والدین کو شکایت کا حق اس وقت پہنچتا ہے جب میں اسکول کے ورکنگ آورز میں کسی سے ملوں یا کوئی ایسی ویسی حرکت کروں پوری ایمان داری سے اپنا کورس کمپلیٹ کرواتی ہوں۔ سب سے زیادہ ٹیسٹ میں اپنی کلاس کے لیتی ہوں' اس وقت میری محنت اور دیانت داری کو کوئی نہیں سراہتا جب میری کلاس کا رزلٹ اے ون آتا ہے۔ کبھی کسی ایک بچے کی سپلی نہیں آئی میرے سبجیکٹ میں اس پر بھی اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی رہتی ہے میرے اوپر۔"

لیلیٰ اب غصے میں آچکی تھی۔

"سوری تم نے تو مائنڈ کر لیا ہم تو تمہارے ہی بھلے کے لیے کہتے ہیں دانا کہتے ہیں کہ سچا دوست وہی ہوتا ہے جو اپنے دوست کی برائی اور خامی کو اس پر ظاہر کر دے تاکہ آئندہ کے لیے وہ سنبھل جائے ہمیں تمہاری پرسنل لائف میں انٹرفیئر نہیں کرنا چاہیے مگر لیلیٰ ڈیئر ایک ساتھ رہنے سے کچھ کچھ انسیت پیدا ہو جاتی ہے بس اسی انسیت کی بناء پر بسا اوقات ہم خود کو روک نہیں پاتے اور غلطی پر ٹوک دیتے ہیں اور پھر جب یہ معاملہ بہت ہی اچھی دوست کا ہو تو پھر اختیار بالکل نہیں رہتا۔ اگین سوری بھئی اب کبھی میری وجہ سے ہرٹ نہیں ہو گی۔" رادیہ کی آواز اور چہرے پر رنج کا عنصر نمایاں تھا۔

"نہیں' ہرٹ نہیں ہوئی میں' میں کیا کروں رادیہ میں اس روز کی بور اور خشک روٹین سے فیڈ اپ ہو جاتی ہوں' صبح اٹھو اسکول میں سر کھپاؤ' فلیٹ میں بد مزاج بزدل فلیٹ میٹ کے ساتھ زبردستی چند گھنٹے باتیں کرو اس روکھی پھیکی زندگی میں کوئی تو چارم ہونا چاہیے۔ کچھ ہلا گلا' میں زندگی کو انجوائے کرنا چاہتی ہوں۔ تمہاری طرح بے رنگ زندگی گزارنا میرے بس میں نہیں۔ میں زندگی کی رنگینیوں کو بہت قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں اور یہ تب ہی ممکن ہے جب میں اچھے اچھے لوگوں کے ساتھ دوستی کو برقرار رکھوں' یار تمہاری زندگی تو پہلے ہی ڈھیروں مسئلوں اور پریشانیوں سے بھری پڑی ہے اس لیے میری فکر کو تم مت پالو تم بنی رہو نیک پروین اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے مس ہما کو ایک میسج دینا ہے چلتی ہوں۔"

لیلیٰ نہ جانے کون سی مٹی سے بنی تھی کہ ہمیشہ ہی خوش اور تازہ دم نظر آتی تھی آج تک کبھی وہ پریشان دکھائی نہیں دی تھی اور نہ ہی کبھی کسی پرابلم کا ذکر کیا تھا' ہر بات اور مسئلے کو وہ بہت معمولی لیتی تھی۔ ہمیشہ اچھے سے اچھا کپڑا پہنتی تھی پرس دو تین ماہ بعد ہی بدلا ہوتا تھا۔ شاید یہ سب ان دوستیوں کی بدولت تھا۔

"نیک پروین اور میں۔" رادیہ کا ذہن اب تک لیلیٰ کے اس لفظ پر اٹکا ہوا تھا۔

"میں نیک پروین ہوتی تو اپنے باپ کی عزت کو یوں تار تار نہ کرتی ماں کی آنکھوں میں آنسو نہ دیتی' بھائیوں کا سر نہ جھکاتی کیسی کیسی انگلیاں اٹھی ہوں گی ان کی طرف محلے والوں نے جینا حرام کر دیا ہو گا' اف کیا ہو گیا تھا مجھے اپنے پیاروں کی عزت کا جنازہ نکال دیا صرف ایک اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لیے اپنوں کی چاہت وشفقت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئی اور وہ بھی میرا نہ بن سکا جس کی خاطر اپنے گھر والوں کو بدنامی و رسوائی کے جہنم میں دھکیل آئی تھی جس کی محبت پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر لیا تھا۔" اس کے دیوانے پن' جنون اور بے تابی و بے قراریوں نے رادیہ کو کورٹ کا راستہ دکھا دیا تھا اور وہ اپنے خاندان کی غیرت کو اپنے قدموں تلے روندتی' تمام منتوں' سماجتوں اور دھمکیوں کی پروا کیے بغیر' بے نیازی' اتراتی' جھومتی خوش خوش اس راہ پر' ہونے والے جیون ساتھی کا مضبوط ہاتھ تھامے چل پڑی تھی مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ طوفانی محبت اچانک اٹھنے والے طوفان کی طرح فوراً ہی ختم ہو جاتی ہے سفید جھاگ ثابت ہوتی ہے جو اوپر ہی اوپر رہتی ہے جسے کبھی

Digest Novels Lovers Group

سمندر کی گہرائی میں جانا نصیب نہیں ہوتا۔

زندگی بھر کا بندھن باندھنے والا صرف ایک سال کے عرصے بعد ہی اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اس کی زندگی کی نیا اب گرم سرد ہواؤں کے تھپیڑوں کے رحم و کرم کے باعث بے سمت سفر کر رہی تھی جہاں تا حد نگاہ دور دور تک کسی کنارے کے نظر آنے کا کوئی امکان نہ تھا شاید ساری زندگی یونہی ہچکولے لیتے گزر جاتی دکھ اور حسرت کی ایک لہر سارے جسم میں دوڑ گئی تو آنکھوں میں پانی اتر آیا جسے اس نے اپنی پلکوں کی جھالر کو بار بار حرکت دے کر باہر آنے سے روکا' یہاں اسکول میں سب اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ کسی کو اس کی ہسٹری کا علم نہیں تھا ماسوائے مسز حیدری کے۔

*_*_*

"آپ ہی نے تو کہا تھا بابا کہ وہ اچھا آدمی ہے۔"

رادیہ نے بابا کی بات انہیں یاد دلائی۔

"ام کو یاد ہے بابا' مگر ام یہ بڑے صاحب کے واسطے بولا تا۔ ام کیا جانتی تھی کہ اس بار ان کا بیٹا آجائے گا حساب کتاب کے واسطے' تم ام کو بتاؤ ادھر جانے کا واسطہ تم کو کون بولا تھا امارا انتظار کیا ہوتا۔" خان بابا کو جب سے رادیہ نے بتایا تھا کہ صاحب اس سے کس بری طرح پیش آئے تھے تب سے ان کا خون کھول رہا تھا۔

"کسی نے نہیں کہا تھا بابا میرا اپنا ہی دماغ خراب ہو گیا تھا بس کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں پریشانی میں یہ بھی یاد نہ رہا کہ آپ کرایہ وصول کرنے ماڈل ٹاؤن گئے ہیں' میں سمجھی آپ اپنے گاؤں چلے گئے ہیں بس دوہری پریشانی میں جو سوجھا کر بیٹھی۔" رادیہ شرمندہ سی بول رہی تھی۔

"ام تم کو کبھی بتائے بغیر اپنے گاؤں گیا ہے' جو ابھی چلا جاتا وہ تو تین دن پہلے جب اچانک صاب لندن سے آگیا اور آتے ہی پوچھ کچھ شروع کر دیا تو ام کو یاد آیا کہ ماڈل ٹاؤن کی بلڈنگوں کا کرایہ ابھی تک جمع نہیں کیا' صائب جب نہیں ہوتا تو پھر ام آرام سکون سے مہینے کے آخر تک سب کا کرایہ لے لیتا ہے اور تمام پیسہ صاب کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیتا ہے اور پرچی ان کے وکیل کو دے آتا ہے۔ پر یہ صاب ام کو بہت غصے والا دکھتا ہے۔" بات کے آخر میں خان بابا نے اپنی رائے بھی پیش کر دی۔ جس کا تجربہ رادیہ کو بھی ہو چکا تھا۔

"یہ آپ پر ان لوگوں کا اعتماد ہے اور پھر یہ آپ کی ایمانداری ہے کہ اتنی بڑی رقم ہر ماہ اکٹھی کرتے ہیں اور کبھی کوئی بھول چوک نہیں ہوئی اس لیے تو بڑے صاحب کو آپ سے کبھی شکایت نہیں ہوئی کوئی۔"

رادیہ ان کی دل سے عزت کرتی تھی اور ان کی ایمانداری کی قائل تھی۔

"اوئے بچہ مرا باپ بھی یہیں یہ کام کرتا تھا ام تم کو پہلے بھی یہ بتایا تھا اور پھر بچہ اس دنیا سے ام اپنے پکا ایمان کے علاوہ اور کیا لے کر جا سکتا ہے۔" خان بابا ابھی مزید کچھ بولنے کا ارادہ رکھتے تھے گاڑی کے تیز ہارن نے ان کی دوڑ لگوا دی۔ وہ شخص بھی شاید اپنے غصے کا اظہار کر رہا تھا اس لیے ہارن مسلسل بج رہا تھا۔

گیٹ وا ہوتے ہی تیزی سے پجیرو اندر آکر رکی اور خان بابا جان گئے کہ غصہ عروج پر ہے۔

"اتنی دیر سے کہاں تھے' بابا نے ڈھیل دے رکھی ہے تمہیں ورنہ اس کو تاہی پر ابھی ابھی نوکری سے نکال دیتا۔" گاڑی کا دروازہ اندر سے پٹختا اور خان بابا پر دھاڑتا وہ شخص لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

رادیہ کو ایک دم ہی وہ کرخت چہرہ بمعہ ان شعلہ بار نگاہوں کے یاد آگیا اور ساتھ ہی اپنی تذلیل بھی تو وہ فوراً اپنے کوارٹر کی طرف چل دی۔

*_*_*

رات کے پچھلے پہر اچانک ہی بادل جوش میں آگئے تھے اور صاف و شفاف پانی سے بھرے اپنے اپنے دامن خالی کر کے درختوں اور پتوں کو نہلا دیا تھا' دھرتی پر جمی میل کی تہہ کو دھو دیا تھا اس لیے ہر چیز نکھری نکھری اور دھلی ہوئی نظر آرہی تھی۔ ایسی صاف ستھری صبح کبھی کبھی ہی رامش صدیقی کو دیکھنے کو ملتی تھی اس لیے نیچرل بیوٹی کو قریب سے دیکھنے اور ایکسپلور کرنے کے لیے وہ اپنے گھر کی تیسری منزل پر آگیا تھا۔

اسلام آباد کی طویل القامت چوٹیاں اپنی مائیکرو دوربین کی بدولت رامش کو بالکل اپنے قریب دکھائی دے رہی تھیں کتنی ہی دیر وہ ان حسین قدرتی مناظر کی خوب صورتی کو سراہتا رہا حتی کہ سورج کی روشنی چار سو پھیل گئی تب رامش تھک کر قریب رکھے کوچ پر ڈھے گیا اور کتنی ہی دیر اپنے پیگ کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتا رہا۔

رامش کا لائف اسٹائل بالکل مختلف تھا وہاں سے یہاں آتے ہی سب سے پہلے اس نے یہی کام کیا تھا کرسٹل کا خالی گلاس میز پر رکھتے ہوئے دوربین تھامے گھر کے عقبی حصے کی کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

دو سانولے سے نازک پاؤں عام سے ہوائی چپل میں مقید نظر آئے تو رامش چونک گیا۔

"لیٹس سی ہاؤ شی لکس لائک۔" دوربین کے عدسوں کے پیچھے اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے اوپر کی جانب سفر کرنے لگیں، سفید شلوار، لوز فٹنگ کی ہلکے فیروزی رنگ کی قمیص سے ہوتی رامش کی نگاہیں صراحی دار لمبی گردن کے چھوٹے سے کالے تل پر لمحہ بھر کو رکیں پھر خوب صورت یاقوتی لبوں پر جم کر رہ گئیں۔

"واؤ۔" رامش کا انداز ستائشی تھا۔

گہری کالی اداس آنکھیں دوربین میں صاف نظر آ رہی تھیں، آسمان کی جانب تکتے ہوئے وہ آنکھیں نہ جانے کن گہری سوچوں میں غرق تھیں کہ کتنی ہی دیر تک رادیہ نے پلکیں نہیں جھپکی تھیں۔

"اف اللہ کیا خوبصورتی ہے مجھے یاد آ رہا ہے یہ وہی کرایہ دار ہے اس دن تو نہ جانے کس حلیے میں آئی تھی ایک تو اس ملک کے لوگ میری سمجھ سے باہر ہیں ہر خوب صورت اور اچھی چیز کو چھپا کر رکھتے ہیں تمام زندگی حفاظت کرتے ہی گزار دیتے ہیں لندن اچھا ہے کچھ چھپاتے نہیں خود کو اپنی فیلنگز کو محبت کو نفرت کو دوسرے پر ظاہر کر دیتے ہیں یہ لوگ تو سب کچھ دل میں چھپا کر رکھتے ہیں کچھ بھی شیئر نہیں کرتے اپنی سوچ اپنا مفاد اپنا مطلب اپنے دلی جذبات حتی کہ اپنے دکھ سکھ کو بھی اپنے سینوں میں پنہاں رکھتے ہیں جسٹ لائک ہر، وائے شی از سو سیڈ۔"

رامش کی اپنے ہم وطنوں کے متعلق اپنی رائے کا اینڈ رادیہ کے مغموم سے چہرے پر ہوا تھا، رامش مسلسل اس کے پرکشش چہرے اور خوب صورت فیگر کو ستائشی نظروں سے دیکھ رہا تھا وہ رامش سے بہت زیادہ دور تھی مگر اس وقت بہت قریب تھی، اتنی قریب کہ رامش نے دو جھیلوں کو لبالب پانی سے بھرتے ہوئے دیکھا تھا گھنی پلکوں کی جھالر جو جھکی تو زائد پانی ننھے کناروں سے باہر امڈ آیا نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے تیزی سے بھیگی پلکوں کو مسلا اور کپڑے نائلون کی الگنی پر پھیلا کر نیچے اتر گئی وہ اوجھل ہو چکی تھی اس لیے رامش کا وہاں کھڑا رہنا فضول تھا اس کا دلکش و حسین سراپا نگاہوں میں فکس ہو کر رہ گیا تھا۔

"سنا ہے سانولا حسن نمکین ہوتا ہے جو ادا، خوب صورتی اور کشش اس حسن میں ہوتی ہے وہ گورے رنگ و روپ میں نہیں ہوتی اٹس آل ٹروشی از ایکسٹریملی اٹریکٹو لیکن اسے دکھ کیا ہے۔"

رامش کے ذہن پر اب تک وہ حسن کا مجسمہ چھایا ہوا تھا۔

دل کی خواہش نے آہستگی سے سرگوشی کی تو ذہن کے عطا کردہ مفہوم کو لب نے ادا کر دیا، رامش آفندی نے جو چاہا ہمیشہ حاصل کیا۔ اپنے جذبات اور خواہشات کو اخلاقیات کی بھینٹ نہیں چڑھایا۔ لندن میں اور یہاں بھی کئی لڑکیاں اس کی پرسنالٹی، ہائی اسٹیٹس اور دولت کی کشش میں اس کی زندگی میں آ چکی تھیں مگر سب وقتی تسکین کا سامان ہوتا تھا، صنف مخالف کی اس طرح تذلیل کر کے نہ جانے وہ کس سے انتقام لے رہا تھا خود سے یا عورت سے، رامش کو اس بات پر کامل یقین تھا کہ عورت دولت کی پجارن ہے اور پر آسائش زندگی گزارنے کے لیے وہ سب کچھ کر گزرتی ہے۔

"میری دولت کی چکا چوند تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر دے گی آخر کو تم بھی تو ایک عورت ہو اور وہ بھی مجبور اور غریب بس کچھ انتظار کرنا ہو گا مجھے کوئی بات نہیں۔"

رامش خود کلامی کے انداز میں بول رہا تھا۔ آنکھوں میں عیارانہ چمک پیدا ہو گئی تھی اور لب مسکرا اٹھے تھے جیسے سب کچھ عین اس کی سوچ کے مطابق ہو گا۔

----*

"مگر کیوں خان بابا، کیوں انہوں نے میرے گھر کی تلاشی لی ہے۔" رادیہ ابھی اسکول سے آئی تھی اور اس نے خان بابا سے چابی مانگی تھی مگر جب خان بابا نے بتایا کہ صاحب نے گھر کی تلاشی لی ہے اور یہ کہ چابی بھی ان کے پاس ہے تو ایک دم ہی غصہ اس کے اندر کھولنے لگا۔ احساس توہین شدت اختیار کر گیا تو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئیں۔

"ام کیا بتائے، بچہ صاحب مرضی کا مالک اے ام تو کچھ نہیں بول سکتا اے۔" خان بابا بے چارگی سے بولے۔

"کہاں ہیں آپ کے صاحب بابا۔" رادیہ نے اپنے اندر ابلتے غصے کو روکتے ہوئے پوچھا۔

"گھر میں ہی ہے، تم کیا اس کے پاس جائے گا بچہ امارا مانو تو غصہ پی جاؤ ام چابی لے آتا ہے۔"

رادیہ خان بابا کی سنی ان سنی کرتی لال پتھروں کی سرخ کوٹھی کی طرف بڑھ گئی۔ مکروہ شخص سوئمنگ پول کے قریب ہی آرام دہ کرسی پر لیٹا نظر آگیا۔

"کس نے حق دیا ہے آپ کو کہ بغیر اجازت کسی کے گھر میں گھس جائیں، کیا سمجھتے ہیں آپ خود کو۔" رادیہ تلملاتے ہوئے بولی۔

"بغیر اجازت تو تم بھی میری پرائیویٹ جگہ پر آ گئی ہو۔" رامش نے اٹھنا مناسب نہ سمجھا بس اپنے سر کو خفیف سی حرکت دی تاکہ سامنے موجود پری پیکر اس کی آنکھوں کی زد میں جائے۔

"ہم تو ال مینرڈ لوگ ہیں مگر آپ تو تعلیم یافتہ ہیں اور ایک ترقی یافتہ اور مہذب ملک میں پرورش پائی ہے کیا آپ کو یہ نہیں سکھایا گیا کہ کسی کے گھر میں یوں گھس جانا ایک غیر قانونی فعل ہے اور آپ ہوتے کون ہیں میرے گھر کی تلاشی لینے والے وہ بھی میری غیر موجودگی میں۔" غصے کے باعث رادیہ کا چہرہ دہکنے لگا۔

"ویری سمپل آنسر آئی ایم دا اونر آف آل دس پراپرٹی اور میرا فرض بنتا ہے کہ میں اپنی پراپرٹی کی صحیح طریقے سے دیکھ بھال کروں اور پھر یہاں کے لوگ بہت شاطر ہیں اندر ہی اندر نہ جانے کیا چکر چلاتے ہیں۔ جو نظر آتے ہیں وہ ہوتے ہیں۔ اس لیے میں نے یہیں سے آغاز کیا کہ دیکھوں یہاں تو کوئی غلط کام نہیں ہو رہا۔" رامش ہنوز اسی انداز میں نیم دراز پر سکون سا بغیر کسی شرمندگی کے تلاشی لینے کی وجہ بتا رہا تھا۔

"واٹ ڈو یو مین، کیا مطلب ہے تمہارا اس بات سے دیکھو مسٹر ہو گے تم صاحب جائیداد اور لینڈ لارڈ مگر میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تم نے مجھے پناہ نہیں دے رکھی اور نہ ہی میں تمہارے ٹکڑوں پر پل رہی ہوں اور نہ میں تمہارا دیا ہوا کھاتی ہوں، میں جس گھر میں رہ رہی ہوں باقاعدہ ماہانہ کرایہ ادا کرتی ہوں اگر تمہیں پراپرٹی کا خیال آہی گیا ہے تو چیک کرنے کی شرط پہلے طے کرنی چاہیے تھی، اتنے مہینوں بعد تم چلے آئے ہو اپنی پراپرٹی کی کیئر کرنے تو کرتے پھرو مگر میں تمہیں یہ من مانی نہیں کرنے دوں گی۔ مفت میں نہیں رہ رہی میں، جس طرح چاہیں ہم رہیں گے اپنی مرضی اور آزادی سے، رہنے کے پیسے دیتے ہیں تمہیں۔" اس کے کوارٹر کے اندر پہنچتے ہی ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ تنہا زار و قطار روتی رہی اپنی کم مائیگی اور بے عزتی پر۔

"اف یا خدا بس کر مجھ پر رحم کر میری حیثیت ایک راستے کے پتھر کی طرح ہو گئی ہے کہ ہر کوئی مجھے ذلیل کرنے پر آمادہ ہے، معاف کردے میری خطا، دوسروں پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے اپنے گریباں میں کیوں نہیں جھانکتے یہ لوگ۔ ایسے لوگوں کو تو کیوں سزا نہیں دیتا جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث بنتے ہیں۔ ذلیل کمینہ شخص، خود تو بد کردار اور اخلاقیات سے عاری ہے دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتا ہے۔ کیسے دیکھ رہا تھا ۔جیسے میری بے بسی اور غربت کا مذاق اڑا رہا ہو، خدا غارت کرے تمہیں، ڈوب جائے تمہاری ساری دولت، کوڑی کوڑی کو ترسو تم۔" خدا سے مغفرت طلب کرنے کے بعد رادیہ اپنے دل کا غبار نکالنے کے

لیے رامش کو کوسنے دینا شروع ہو گئی تھی۔

"اوئے تم سو گیا ہے کیا بچہ۔" خان بابا باہر کھڑے پوچھ رہے تھے۔ رادیہ نے فوراً چہرے پر پانی کے چھپاکے مارے اور باہر نکل آئی۔

"جی بابا۔" رادیہ دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے بولی۔

"اوئے بچہ کیا ہوا' صاب کیا بولا تم کو زیادہ پریشان تو نہیں کیا۔" خان بابا متفکر سے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں بابا سب ٹھیک ہیں مجھے آپ کو بتانا یاد نہیں رہا مسز لبنیٰ انصاری کی بیٹی کی سالگرہ تھی وہ فیری کو ساتھ ہی لے گئی ہیں۔ شام تک چھوڑ جائیں گی آپ ذرا خیال رکھیے گا۔" رادیہ جان بوجھ کر سب کچھ چھپا گئی جانتی تھی کہ بابا کو دکھ ہو گا۔

"وئے بچہ فیری ام کو صبح جاتے وقت بتا کر گئی تھی کہ شام میں اس کی کھیلی کا سالگرہ ہے تم فکر مت کرو' ام ادھر دروازے پر ہی تو بیٹھا ہے۔ اچھا ام چلتی ہے صاب کے غصے کو تو تم جانتی ہے۔" خان بابا ڈنڈا تھامے گیٹ کی جانب بڑھ گئے۔

"صرف غصہ ہی نہیں اس کی ذہنیت بھی جان گئی ہوں آج۔" رادیہ حقارت سے بڑبڑائی۔

--*

"کیا بات ہے بہت چہک رہی ہو آج۔" مسز عالیہ کھوجتی نگاہوں سے لیلیٰ کے کشمیری حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"میں ہمیشہ سے ہی ایسی ہوں' ہاں آپ نے آج نوٹ کیا ہے۔" لیلیٰ شوخ انداز میں بولی۔

"مگر آج تو تمہارے پیر زمین پر نہیں لگ رہے۔" مسز عالیہ کی عادت تھی ٹوہ لینے کی۔

"لگتا ہے کوئی نئی دوستی ہوئی ہے' نئی دوستی کا نشہ بھی نیا ہی ہوتا ہے جو تمہاری ایک ایک ادا سے جھلک رہا ہے۔" مس فائزہ صاف لیلیٰ پر چوٹ کر رہی تھیں مگر لیلیٰ تو چکنا گھڑا تھی مجال ہے جو اس پر کسی بات کا اثر ہو تا۔

"بھئی اپنی اپنی نیچر اور عادت ہے اب میں تم لوگوں کی طرح بور اور مستقل پسند نہیں ہوں تو کیا کروں سالوں سے تم لوگ ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ کر اکتائی نہیں نئی دوستی ہوتی ہے تو نئی باتیں ہوتی ہیں نئی دلچسپیاں پیدا ہوتی ہیں مگر تم لوگ کہاں یہ سب سمجھو گی۔" لیلیٰ کے پاس اپنی بات منوانے کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی تھی۔

"ہاں بھئی ہماری سمجھ میں کہاں آتی ہیں یہ دوستیاں اصل میں اتنی بڑی بڑی دوستیاں کبھی کی جو نہیں تم تو عادی ہو گئی ہو' تجربہ بھی کافی ہو گیا ہے' ذرا ہمیں بھی وہ راز بتاؤ جس کی بناء پہ تم نئے نئے پنچھی پھنسا لیتی ہو۔" مسز اکبر نے آج کھلے لفظوں میں لیلیٰ پر حملہ کر دیا تھا ایک ثانیہ کے لیے لیلیٰ کے چہرے پر ناگواری کا سایہ سا لہرایا مگر پھر کٹنگ کیے ہوئے اپنے بالوں کو ایک ہاتھ سے سنوارتے ہوئے متبسم انداز میں گویا ہوئی۔

"یور موسٹ ویلکم مسز اکبر نہ صرف دوستی کرنے کا ہنر بتاؤں گی بلکہ وہ منتر بھی آپ کو سکھا دوں گی جس کو ایک بار پڑھ کر اپنے شوہر پر پھونک دیا جائے تو وہ ساری زندگی آپ کی غلامی کرے گا۔ آپ کے اشاروں پر ناچے گا ایک کٹھ پتلی کی طرح' ایسی ہی صفات کا حامل خاوند چاہتی تھیں نا مگر افسوس۔"

لیلیٰ کا یہ وصف تھا کہ وہ فوراً" ہی حساب بے باق کر دیتی تھی اس وقت بھی لیلیٰ نے مسز اکبر کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا تھا۔ مسز اکبر اپنے خاوند سے لڑ جھگڑ کر تین بچوں سمیت اپنے میکے آ کر رہ رہی تھیں۔ مسٹر اکبر اپنے بوڑھے والدین کا اکیلا سہارا تھے' بڑھاپے میں وہ ان کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے جبکہ مسز اکبر کا علیحدہ گھر کا مطالبہ ان کے درمیان کشیدگی اور رنجش کا باعث بن گیا تھا۔

"لیلیٰ۔" مسز اکبر کا چہرہ غصے سے لال پڑ گیا' تنبیہی انداز میں لیلیٰ کو پکارا۔

"وہ ایسا ہے مسز اکبر کہ کیچڑ میں پتھر پھینکنے سے خود پر بھی چھینٹے پڑتے ہیں میں جیسی ہوں سب کے سامنے ہوں بری ہی سہی بہتر یہی ہے کہ آپ میرے منہ نہ لگیں یا پھر اپنے اندر دوسروں کی بات برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کریں' جس طرح آپ دوسروں کے بارے میں زہر اگلتی ہیں تو دوسروں کی زبان سے بھی

آپ کے لیے پھول نہیں جھڑیں گے۔ اگر ایک اسی بات پر آپ عمل پیرا ہو جائیں تو آپ خوشگوار ازدواجی زندگی گزار سکتی ہیں۔" لیلیٰ مسز اکبر کو شرمندہ کرنے کے ساتھ ساتھ مشورے سے نوازتی اٹھلاتی ہوئی اسٹاف روم سے باہر نکل گئی اس کی ہائی ہیل کی ٹک ٹک گویا اعلان کر رہی تھی کہ اس کو کسی کی پروا نہیں چھوٹے سے کمرے کی فضا کا بوجھل پن محسوس کر کے رادیہ مسز حیدری کے گروپ کی طرف چل دی۔

"کیوں پھر کوئی معرکہ آرائی ہوئی ہے اندر۔" مسز حیدری نے رادیہ کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھ کر کہا۔

"بس مسز حیدری ہر جگہ ہر ماحول میں ٹینشن ہی ٹینشن ہے اب ہم لوگ اتنے عادی ہو گئے ہیں اس چیز کے کہ جان بوجھ کر کسی نہ کسی طریقے سے اس کو کری ایٹ کر لیتے ہیں اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔" رادیہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اچھا اچھا فی الحال اداس ہونے کی ضرورت نہیں، دفع کرو انہیں، فیری کی سناؤ۔" مسز حیدری نے اس پر طاری ہونے والی یاسیت کو ختم کرنے کی خاطر جان بوجھ کر فیری کا ذکر چھیڑ دیا۔ فیری کی شرارتیں اور باتیں کرتے ہوئے وہ اپنا دکھ بھلا بیٹھتی تھی۔ سانولی سنہری رنگت ممتا کے رنگوں سے دمک اٹھتی تھی، کالی غزالی آنکھیں بیٹی سے والہانہ محبت سے بھر بھر جاتی تھیں فیری کے علاوہ اس دنیا میں اور تھا ہی کون اس کا۔

*__*__*

"ہیلو! یو جسٹ لک لائک آ فیری، سو بیوٹی فل کیا نام ہے تمہارا۔" رامش جو ابھی بھی باہر سے آیا تھا، اپنے لان میں کھڑی فیری کو دیکھ کر بے اختیار پوچھ بیٹھا، عام پھولدار لان کے سلیوز لیس فراک میں بھی وہ پیاری لگ رہی تھی، کالے گھنگھریالے بالوں کی لٹیں گردن تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سفید رنگ پر نیلی آنکھیں، رامش کو وہ گڑیا لگ رہی تھی۔

"فیری" وہ جو ایک دم اسے دیکھ کر سہم گئی تھی، مگر اس کی مسکراہٹ دیکھ کر آہستگی سے جواب دیا۔

"ہاہا، تم سچ مچ ایک فیری ہو، مگر میں تمہارا نام پوچھ رہا ہوں۔" رامش نے ہنستے ہوئے اسے بانہوں میں بھر لیا۔

"او رامش ڈیئر یہ کیا تم نے اپنے گھٹنے گیلی گھاس پر رکھے ہوئے ہیں داغ پڑ گئے ہوں گے۔" جویریہ جو رامش کے ساتھ ہی آئی تھی، گاڑی سے اپنا ننھا سا بیگ نکال کر رامش کے قریب ہی آ کر نخوت سے بولی۔

"از نٹ شی کیوٹ، نام تو بتاؤ بھئی اپنا کہاں رہتی ہو۔" رامش فیری کے بالوں کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وگ لگائی ہوئی ہے۔ اس کے تیکھے اور خوب صورت نقوش کسی سے مل رہے تھے مگر کس سے؟ وہ شبیہ فی الحال اس کے ذہن کے پردے پر ابھر نہیں رہی تھی۔

"فیری ہی تو میرا نام ہے اور میں ادھر پیچھے رہتی ہوں۔" اس کا میٹھا اور مدھم لہجہ رامش کے کانوں میں رس گھول رہا تھا۔

"معاف کرنا صاب، یہ بہت شرارتی اے نظر بچا کر ادھر آ جاتی ہے۔ فیری بچہ چلو آؤ تمہارا ماما تم کو آواز دیتی ہے۔ خوچہ جلدی آؤ۔" فیری سرعت سے اس کے بازوؤں کے گھیرے سے نکل کر خان بابا کی طرف دوڑ گئی۔

اور رامش کے پردہ اسکرین پر وہ صورت واضح ہو گئی تھی فیری نے تمام نقش رادیہ کے پائے تھے فرق صرف رنگت اور نیلی آنکھوں کا تھا رامش کئی لمحے اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا اسے کچھ عجیب سا لگا یہ حقیقت جان کر اپنی اس کیفیت کو وہ خود کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا جو سراپا ایک قیامت تھی، حسن و رعنائی کا مکمل مجسمہ تھی۔ اس کا پرکشش سراپا ذہن میں ابھرا تو اسے پانے کی لگن بھی بیدار ہو گئی۔

"کم آن رامش، اگر وہ بچی خوب صورت تھی تو پھر تم مجھے کس لقب سے نوازو گے۔" جویریہ نے ذو معنی بات کرنے کے ساتھ ہی شریر تبسم بکھراتے ہوئے دائیں آنکھ دبائی۔

"تم اپنے اور میرے لیے کافی بناؤ میں آتا ہوں۔" رامش فی الحال تنہائی چاہتا تھا سو جویریہ کو بھیج دیا لاشعوری طور پر وہ جویریہ کا موازنہ رادیہ سے کرنے لگا۔

جویریہ ٹی شرٹ اور جینز میں بہت نمایاں ہو رہی تھی تراشیدہ ہیئر اسٹائل اور فل میک اپ میں بھی رامش کو اس کے چہرے میں وہ کشش اور دلکشی نظر نہیں آئی جو اس سانولی سلونی صورت میں تھی۔ سادہ سے لباس میں بھی وہ کتنی بھلی اور اٹریکٹو لگ رہی تھی یک لخت رامش کا دل چاہا کہ وہ جویریہ کو یہاں سے چلے جانے کا کہہ دے مگر آج کی رات کو حسین بنانے کے لیے رامش نے خود اس کا انتخاب کیا تھا لیکن اب یہ اچانک بیزاری اور جھنجھلاہٹ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"تو ہیل ود ہر۔" رامش اس کے خیال کو جھٹکتا اندر بڑھ گیا۔

*_*_*

"وہ جو سامنے والا کوٹی (کوٹھی) خالی تھا اس میں نیا لوگ آگیا ہے۔" خان بابا رادیہ کو نئی اطلاع پہنچا رہے تھے۔

"اچھا، یہ تو اچھا ہوا بابا، فیملی ہے یا۔" رادیہ جو کاپیاں چیک کر رہی تھی، اپنے مطلب کی بات پوچھ بیٹھی کیونکہ وہ کوٹھی بالکل سامنے تھی، پہلے جو کرایہ دار تھے ان کے بھائی ہمیشہ ہی دروازے پر کھڑے رہتے تھے۔

"فیملی ہے بچہ فیملی، میاں بیوی اے اور تین بچے ہیں، ایک امارا فیری سے توڑا بڑا ہے۔" خان بابا تمام معلومات جمع کر چکے تھے۔

"یہ تو بہت ہی اچھی خبر ہے بابا، آپ میرے بعد ذرا فیری کا دھیان رکھیے گا باہر نہ نکل جائے۔ بچے جلدی آپس میں گھل مل جاتے ہیں ایسا نہ ہو سارا سارا دن ان کے گھر رہے۔" رادیہ جو فیملی کا سن کر مطمئن ہو گئی تھی اسے دوسری فکر نے آگھیرا تھا۔

"وئے ام اس پر کڑی نظر رکھتا اے۔" خان بابا اترا کر بولے۔

"بہت رکھتے ہیں نظر اس پر، اس لیے تو وہ اس طرف چلی جاتی ہے اور آپ کو تب خبر ہوتی ہے جب میں بتاتی ہوں یا پھر خود فیری۔" رادیہ خفیف سی مسکراہٹ لبوں پر لا کر بولی۔

"اوئے بچہ ام سب جانتا اے فیری گھر کے اندر ہی ہوتا ہے اس لیے ام کو کوئی فکر پریشانی نہیں ہوتا ویسے بھی بچہ کا فطرت ہوتا ہے جس کام سے منع کیا جائے وہ ضرور کرتا اے اس میں تجسس پیدا ہو جاتا اے امارا فیری بھی ادھر سوئمنگ پول کا پانی دیکھنے کے واسطے جاتا اے صاب ایک چھوٹا سا کتا کا بچہ لایا ہے کل۔" خان بابا آج فرصت سے بیٹھے ہوئے تھے۔

"بابا آج بڑے آرام و سکون سے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں آپ کے وہ "حلیم الطبع" صاحب واپس چلے گئے ہیں کیا۔" رادیہ نے مسکراتے ہوئے جان بوجھ کر رامش کی شخصیت کے لیے متضاد لفظ استعمال کیا۔

"خان، نہ جانے کہاں چلا جاتا ہے۔" بھاری آواز میں پکارنے کے بعد غصے کی بڑبڑاہٹ تک سنائی دے گئی تھی۔

"اوئے خوچہ مروا دیا ام کو، اماری خانم کا نام لے لیتی تو ام اس وکھت (وقت)" خان بابا ایک دم ہی ہڑبڑا گئے اور بیک وقت چپلوں میں پاؤں گھسانے کے بعد سر پر اپنی پگڑی جماتے ہوئے بولے۔

رادیہ جو دل کھول کر مسکرا رہی تھی، درمیانی لان کے آخر میں استحقاق سے کھڑے اس شخص کو دیکھتے ہی فوراً سنجیدہ ہو گئی۔ ہونٹ بھینچ گئے اور ماتھے پر دو لائنیں ابھر گئیں جو اس شخص کی یہاں موجودگی پر ناپسندیدگی کا اظہار تھیں۔

"انکل، ہیلو انکل۔" فیری اچانک ہی دائیں طرف سے نکل کر رامش کی طرف بھاگی۔

"ہیلو مائی ڈول کیسی ہو تم۔" رامش نے جھک کر اسے اٹھا لیا رامش کے نرم لہجے پر رادیہ حیران سی رہ گئی۔

"جی صاحب آپ نے صبح بولا تھا کہ آج کہیں نہیں جانا اس لیے ام ادھر لیٹ گیا۔" بابا اپنی صفائی پیش کرنے لگے۔

"یاد ہے مجھے اب میں کہہ رہا ہوں کہ جا کر گیٹ کھولو۔" رامش پھر اپنے تحکمانہ انداز میں بولا۔

"جی صاحب۔" خان باب حکم کی تعمیل کے لیے چل دیے۔

"تو تم یہاں رہتی ہو، ہوں، مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئیں تم۔" رامش فیری کے گال چومتا ہوا پوچھ رہا تھا اور پیار بھرا یہ انداز رادیہ کو پریشان کر گیا، مگر پھر بھی سر جھکائے اپنے کام میں مگن رہی۔

"ماما منع کرتی ہیں، کہتی ہیں ادھر وولف رہتا ہے۔" فیری نے اپنی نیلی آنکھوں کو پھیلا کر اپنے خوف کا اظہار کیا۔ جیسے اس کے دماغ میں بٹھا دیا گیا تھا کہ وولف بہت خطرناک جانور ہے۔

"ہاہا وولف۔" رامش لفظ کو دہراتے ہوئے ہنس پڑا پھر ایک نظر اپنے کام میں مصروف رادیہ پر ڈال کر گویا ہوا۔

"ادھر کوئی وولف نہیں رہتا، آیئے آپ کی ماما سے پوچھتے ہیں کہ انہوں نے جھوٹ کیوں بولا۔"

"ہیلو! سنا ہے مشرق میں لوگ بہت ملنسار اور بامروت ہوتے ہیں کہ گھر آئے دشمن کو بھی خدا کا مہمان سمجھتے ہیں اور سلام کا جواب تو کافر کو بھی دیا جاتا ہے۔ ایم آئی رائٹ۔" رامش کو مجبوراً یہ کہنا پڑا کیونکہ اس کے ہیلو پر بھی اس کا سر ہنوز جھکا رہا تھا۔

"ہیلو!" رادیہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی سپاٹ چہرے اور سرد آواز کے ساتھ کہا، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے ہیلو نہ کہا تو فیری ہزار سوال کر کے اس کا دماغ کھا جائے گی۔

"تو یہ تمہاری ماما ہیں لٹل فیری، جیسی ماں ویسی بیٹی، بیوٹی فل اینڈ اڈمائرایبل۔" رامش نے ایک توصیفی نگاہ اس کے برہم چہرے پر ڈالی، رامش کے ہونٹوں پر اس وقت تبسم بکھر گیا جب رادیہ نے اسے کڑی نظر سے دیکھا مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ بس کافی اٹھا کر اپنے کوارٹر کے اندر چلی گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر حسین عورت مغرور کیوں ہوتی ہے۔" رامش زیر لب بڑبڑایا اور پھر فیری کی پیشانی چوم کر مسرور سا بولا۔

"تمہاری دوستی میرے بہت کام آئے گی، تم جب آؤ گی میرے گھر تو مل کر کارٹون دیکھیں گے۔ او کے بائے ناؤ۔" رامش کے شاطر دماغ میں ابھی ابھی ایک نئی سوچ پیدا ہوئی تھی وہ ایک کامیاب بزنس مین تھا۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے جائز و ناجائز طریقے استعمال کرنا بخوبی جانتا تھا۔ اپنی منزل کو پانے کے لیے وہ فیری کو زینہ بنانا چاہ رہا تھا۔ سیڑھی پر پہلا قدم اس نے جما بھی لیا تھا فیری سے دوستی کی صورت میں۔

"اولاد تو عورت کی کمزوری ہوتی ہے اور میں تمہاری نمکینی کو چکھنے اور نسوانیت کا وقار توڑنے کے لیے اسی کمزوری کو استعمال کروں گا۔" رامش اپنے عیارانہ پلان کے متعلق سوچ کر ریلیکس ہو گیا کہ جلد ہی یہ اہم کام "بنٹ" جائے گا جس کے لیے وہ اب تک یہاں رکا ہوا تھا۔

*_*_*

"مگر ایسا کون سا اہم کام ہے جس کا مجھے علم نہیں اول تو تم یہاں سے جانے پر رضامند نہ تھے اور اب وہاں سے آنے کا نام نہیں لے رہے۔" رامش آفندی کے پاپا اکبر آفندی بے تاب سے موبائل پر اپنے بیٹے سے بازپرس کر رہے تھے۔ وہ اپنے بیٹے کی عادتوں سے واقف تھے۔ جہاں وہ پورا دن اپنے بزنس کو دیتا تھا تو شام کا سارا وقت اپنی ذات کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ تند اور اکھڑ مزاج اور غصیلی طبیعت کے باعث اکبر آفندی نے بھی اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ شروع شروع کی روک ٹوک پر رامش آفندی نے علیحدہ فلیٹ لے لیا تھا جہاں وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارتا تھا تب اکبر آفندی نے خاموشی میں ہی عافیت جانی کہ پردیس میں وہی تو ان کا ایک سہارا تھا۔

"لیو دس ٹاپک، آفس کا کام کیسا چل رہا ہے۔ ایک نیا کنٹریکٹ ہمیں ملنے والا تھا اس کا کیا بنا۔" رامش نے آفس کے حالات جاننا چاہے۔

"پتہ نہیں اتنا زیادہ کام تم کیسے ہینڈل کر لیتے ہو، وہ کنٹریکٹ شاید ہمیں نہیں ملا۔" عمر آفندی کچھ ہچکچا کر بولے۔

"واٹ ڈو یو مین بائے "شاید" کم آن پاپا، ایک وقت تھا جب آپ بھی اس طرح کا بزنس چلایا کرتے تھے اور اب آپ کو اس بات کا بھی یقین نہیں ہے کہ وہ کنٹریکٹ ہمیں ملا ہے یا نہیں، میں نے آپ کو کہا تھا

کہ آفس کی نگرانی آپ نے کرنی ہے۔ آپ کیسے اتنے لاتعلق اور غیر ذمہ دار ہو سکتے ہیں' یہ صرف میرا بزنس نہیں ہے پاپا آپ کا بھی ہے' مگر آپ نے خود کو اور اپنی صلاحیتوں کو زنگ لگالیا ہے۔ آخر کب تک آپ یادوں کے چراغوں کو پھونکیں مار مار کر روشن کرتے رہیں گے فار ہیون سیک پاپا ماضی کی گہری کالی چادر میں سے روشنی کی کوئی کرن نہیں پھوٹے گی پاسٹ کبھی لوٹ کر نہیں آتا پاپا۔" رامش اپنا ٹمپر لوز کر بیٹھا تھا اس لیے بولتا گیا۔

"بس یو آر رائٹ مائی سن۔" اکبر آفندی کا لہجہ شکست خوردہ سا تھا آواز میں تھکاوٹ نمایاں تھی جس نے رامش کو تڑپا دیا تھا۔

"آر یو آل رائٹ پاپا' ایم سوری' رئیلی سوری پاپا مجھے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا" رامش نادم سا اپنے بیڈ روم میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا' بس خود کو تنہا محسوس کر رہا ہوں۔ تم کب تک آرہے ہو۔" پاپا کی دھیمی پڑتی آواز نے رامش کو اور بھی بے قرار کر دیا۔

"شاہ زیب آپ کے پاس نہیں آتا میں نے اسے آپ کا خیال رکھنے کی تاکید کی تھی۔" رامش کی آواز میں غصہ در آیا تھا۔

"آتا ہے وہ مگر تم یہاں سے بمشکل ایک ہفتہ کے لیے گئے تھے اور اب تمہیں ڈیڑھ ماہ سے زائد ہو گیا ہے' اگر وہاں سیٹل ہونے کا ارادہ ہے تو بتاؤ۔" اکبر آفندی کو مبہم سی امید نے آن گھیرا۔

"نو نو پاپا نو نیور میں جلد ہی واپس آرہا ہوں۔ زیب کو فون کر کے تمام انفارمیشن لے لیتا ہوں ٹیک کیئر پاپا۔" رامش نے اس ٹاپک سے بچنے کے لیے فوراً ہی موبائل آف کر دیا۔

برسات کا آغاز ہو چکا تھا اس لیے نیلا آسماں اچانک ہی اپنا رنگ بدل لیتا تھا۔ نرم ہوا شام سے ہی چل رہی تھی۔ حبس میں قدرے کمی ہوئی تھی مگر اتنا خوشگوار اور دلفریب موسم بھی رامش کی مضطرب کیفیت اور بے کلی کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو پایا تھا۔ شاہ زیب سے فون پر اسے معلوم ہوا تھا کہ پاپا ایک بار پھر خود کو تنہا محسوس کر رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ کنٹریکٹ بھی ان کی فرم کو نہیں ملا تھا مگر یہ تو بزنس کا ایک حصہ ہے کوئی نئی بات نہیں اور پھر ویسے بھی جس کی نظر "بہت زیادہ" پر ہو وہ اس طرح کے چھوٹے موٹے نقصان کو قطعی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

"پاپا کاش میرے بس میں ہوتا تو میں وقت کے دھارے کو آپ کی خاطر پیچھے بہنے کے لیے مجبور کر دیتا جہاں آپ میرے آئیڈیل تھے' خوش اخلاق اور مضبوط شخصیت کے مالک' ٹوٹ کر چاہنے والے اپنے بیٹے اور بیوی کو مگر۔" رامش آج بہت دنوں کے بعد ڈپریشن کا شکار ہوا تھا۔ اس کے اندر کا بڑھتا دکھ اور خلا بھی کئی جام پی کر پر نہیں ہوا تھا اپنے پیارے پاپا کے لیے کچھ کرنے کی خواہش اور سوچ کو باہر سے آتی آوازوں نے منتشر کر دیا' رامش بیک کی طرف کھلنے والی کھڑکی کا دبیز پردہ ہٹا کر الجھے دماغ کے ساتھ سچویشن کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"فیری چھوڑ دو اسے' میں نے کہا نا میں اس طرح کی تمہیں لا دوں گی۔" رادیہ ٹرائی سائیکل پر سے فیری کو زبردستی اتارنے کی سعی کر رہی تھی۔

"نہیں آپ مجھے کچھ نہیں لے کر دیتیں' یہ میری ہے' میں نہیں دوں گی۔" رادیہ منہ بسورتے ہوئے اور بھی ٹرائی سائیکل کے ساتھ چپک گئی۔

"فیری بیٹا پلیز ضد نہیں کرتے۔ یہ وکی بیٹے کی ہے اس کو دے دیں دیکھیں وہ لینے آیا ہے۔" رادیہ نے اب پیار سے سمجھایا۔

"نہیں' نہیں' نہیں۔" فیری اپنی پوری طاقت سے چلائی۔

"فیری' اترو سائیکل سے۔" رادیہ اپنی پوری کوشش کر رہی تھی مگر فیری ہنوز سائیکل کے ہینڈل کو مضبوطی سے تھامے چیخ رہی تھی۔

"بدتمیز۔" چٹاخ کی آواز کے ساتھ ہی فیری نے رونا شروع کر دیا' طمانچہ فیری کے ملائم و نازک گال پر پڑا تھا مگر جلن کا احساس رامش آفندی کو ہوا تھا اور بے اختیار و بے ارادہ وہ اپنا گال سہلانے لگا تھا۔ سالوں پہلے پڑنے والے تھپڑوں سے اس کے گال

سلگ اٹھے تھے اور ان کے باعث پیدا ہونے والی تپش آج پھر بیدار ہو گئی تھی۔ چہرہ گرم ہو کر انگارہ بن گیا تھا روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی مگر پھر بھی اس کی ماں کے سینے میں ٹھنڈ نہیں پڑی تھی اس کی کمر پر ایک دھمو کا مارتے ہوئے سنگدلی سے چیخیں۔

"آئندہ اگر کسی کی چیز کی طرف للچائی نظروں سے دیکھا یا یہاں لائے تو جان نکال کر رکھ دوں گی۔ اگر اتنا ہی شوق ہے تو جاؤ اپنے باپ سے کہو لا کر دے تمہیں جو سب کچھ لٹا بیٹھا ہے۔ یہ صلہ ملتا ہے کسی پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرنے کا' بڑا بھروسہ تھا اپنے دوست پر' سب کچھ اپنے نام کروا کر اور بیچ کر وہ تو چلتا بنا اور یہ یہاں تاسف سے ہاتھ ملنے کے لیے رہ گئے۔ کوئی قانونی چارہ جوئی کرنے کی بجائے انصاف اللہ پر چھوڑ دیا۔

ہونہہ ارے آج کل اللہ بھی صرف پیسے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔" اس کی ماما تنگ و تاریک چھوٹے سے فلیٹ کے کچن میں کھڑی اپنے دل کی بھڑاس فل آواز میں نکال رہی تھیں اور رامش اپنی غیر متوازن سانسوں کے دوران ننھے سے ذہن کے سوالوں پر الجھ کر رہ گیا تھا۔ معصوم کو ایک بھی تو جواب نہیں مل رہا تھا اپنے کسی سوال کا' ہمارا اتنا بڑا گھر کس نے لے لیا؟ پاپا کی گاڑی بھی نہیں رہی۔ پال کہتا ہے کہ جنرل اینڈ میڈیکل اسٹورز ہمارے نہیں رہے۔ پاپا نے کیوں بیچ دیے؟ میرے سب مہنگے کھلونے بھی پاپا نے دے دیے ماما پہلے تو ایسے پاپا کے ساتھ نہیں لڑتی تھیں اور مجھے بھی کبھی نہیں مارتی تھیں۔ اب کیا ہو گیا ہے ماما کو؟

دبے پاؤں سرکتا وقت ان کے مالی حالات کو اور بھی ابتر کر گیا تھا اور رامش آفندی کو کسی سے اپنے سوالوں کے جواب طلب کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی اس نے ماما کی کڑوی کسیلی باتوں اور طعنہ زنی سے خود ہی جوابات اخذ کر لیے تھے اور پیچیدہ و الجھے ہوئے تمام سوالوں کا صرف ایک جواب تھا کہ پاپا کے پاس اب دولت نہیں رہی تھی۔ اپنے جگری دوست کے فراڈ کا ایسا گہرا چرکہ دل پر لگا تھا کہ محبت بھرا دل اس شاک کو سہہ نہ پایا اور اکبر آفندی دل کے مریض بن بیٹھے۔ جو تھوڑا بہت بچا تھا وہ ان کے مہنگے علاج معالجے پر خرچ ہو گیا' پیار کرنے والی بیوی کے بدلتے رویے نے اکبر آفندی کو اور بھی دلبرداشتہ کر دیا کہاں تو وہ ان پر جان چھڑکتی تھی اور اب جب ایسے آڑے وقت میں ان کو تسلی اور دلجوئی کی ضرورت تھی تو وہ اور لعن طعن پر اتر آئی تھی اور جب حالات جوں کے توں ہی رہنے لگے۔ تو انہوں نے پاپا سے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ پاپا ششدر سے ساکت و صامت اپنی بے حس بیوی کے کرخت چہرے کو دیکھتے رہے جہاں بیزاری اور اکتاہٹ تھی' پاپا بولے تو صرف اتنا۔

"میرا نہیں تم کم از کم اپنے بیٹے کا ہی خیال کر لو' اسے ابھی تمہاری ضرورت ہے۔" پاپا نے اپنی بے پناہ محبت کا واسطہ نہیں دیا بلکہ اس رشتے کو قائم رکھنے کے لیے بیٹے کو ڈھال بنایا۔

"کیوں میں ہی کیوں اس کا خیال رکھوں تم کس لیے ہو' جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے ذمہ دار تم ہو اس لیے اس کی سزا بھی تم ہی بھگتو تنگ آ گئی ہوں میں اس فاقہ کشی سے اور اپنی اس زندگی سے تمہاری خاطر میں خود پر خوشیوں کو حرام نہیں کر سکتی اور نہ ہی تمہارے بیٹے کو اپنے پاؤں کی زنجیر بنانا چاہتی ہوں زندگی رہی تو بیٹے اور بھی مل جائیں گے۔"

ماما کے الفاظ تھے کہ زہر میں بجھی نوکدار چھریاں جنہوں نے بارہ سالہ رامش کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ جسم کی تمام رگیں کٹتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اپنا وجود ارزاں اور بے وقعت لگنے لگا اور پہلی بار جس کے لیے ذہن اور دل میں نفرت پیدا ہوئی وہ اس کی اپنی ماں کے لیے تھی جس نے ایک دولتمند شخص کا ہاتھ تھامنے کے لیے اپنے شوہر اور بیٹے کو چھوڑ دیا تھا۔ نفرت کے احساس کے بعد جس سوچ نے رامش کے اندر تقویت حاصل کی وہ دولت اور پیسے کے متعلق تھی۔

دولت ایک اہم رشتہ زندگی کے لیے یہ نہایت ضروری ہے۔ یہ تمام رشتے جوڑتی اور توڑتی ہے اور پھر دولت کا حصول اس کی زندگی کا مشن بن گیا اور پھر اس

نے کسی کام کے کرنے میں عار محسوس نہ کیا۔

بادلوں کی گرجدار آواز نے رامش کا تکلیف دہ یادوں سے سلسلہ منقطع کر دیا تو اس نے بھاری چکراتا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ بوجھل دل کے ساتھ وہ وہیں کوچ پر لیٹ گیا مگر نیند میں بھی وہ بے خوابی کا شکار رہا عجب بے کلی و بے قراری سی تھی جو اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔

نہ جانے کس چیز کا کھٹکا ہوا تھا کہ رامش کی آنکھ کھل گئی جب وہ مکمل طور پر بیدار ہوا تو پہلا خیال فیری کا آیا۔ بنا کچھ سوچے سمجھے تقریباً" دوڑتے ہوئے اپنے ٹیرس والے کمرے میں جا پہنچا اور دوربین سے کوارٹر کا ویو کلیئر کرنے لگا مگر کچھ نہ دکھائی دینے پر رامش ملول سا ہو گیا۔ جب دوبارہ دوربین نگاہوں سے لگائی تو رادیہ کا حزن و ملال زدہ چہرہ ابھرا وہ جو کوز اینٹوں سے بنے راستے پر بیٹھی تھی۔

اسکن کلر کی چادر میں خود کو لپیٹے رامش کے لائے ہوئے چھوٹے سے پپی کو ایک ہاتھ سے پیار کر رہی تھی پھر دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر اپنے چہرے کے قریب لے آئی رامش کی انگلیوں نے فوراً" ایڈجسمنٹ کا بٹن دبایا اور اب رادیہ کا اداس چہرہ قریب ترین تھا، غزالی آنکھیں پانی سے لبریز تھیں، وہ کچھ کہہ رہی تھی، بولتے بولتے وہ رو پڑی تھی، پپی کو سینے سے چمٹا کر رامش دم بخود سا اس کی ایک ایک حرکت کو بغور دیکھ رہا تھا اس نے پپی کو نیچے اتارا ایک نظر کوارٹر پر ڈالی اور چادر سنبھال کر چل پڑی۔

رامش چند لمحے یونہی خالی الذہن کھڑا رہا مگر پھر نہ جانے کیا جی میں آئی کہ گاؤن کی ڈوریاں کستے ہوئے باہر نکل آیا اس کے قدم کوارٹر کی جانب اٹھ رہے تھے۔

فیری اب تک بے خبر سو رہی تھی، آنسو گالوں پر جہاں جہاں خشک ہوئے تھے وہاں نشان چھوڑ گئے تھے۔ رامش بے خودی سا فیری کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ یہ محبت تھی یا ہمدردی جو بھی تھا رامش اس جذبے سے مغلوب ہو کر فیری کو احتیاط سے اٹھا کر اپنے بیڈ روم میں لے آیا۔

"تمہارے پاپا تمہارے ساتھ نہیں رہتے، کہاں ہیں وہ۔" فیری اب کارٹون دیکھتے ہوئے چہک رہی تھی اس لیے رامش نے پیار سے پوچھا۔

"ماما کہتی ہیں وہ بہت دور گئے ہیں میرے لیے کھلونے لانے، جیسے وکی کے پاس ہیں، سائیکل، بھالو، باتیں کرنے والی گڑیا اور بہت سارے کھلونے لائیں گے میرے لیے۔" بھولپن سے کہے گئے فیری کے الفاظ نے رامش کو ایک بار پھر ماضی کے آئینے کے سامنے لا کھڑا کیا جہاں وہ اسٹریچر پر پڑے بے سدھ پاپا کے ساتھ لپٹا زور زور سے چلا رہا تھا۔

"پاپا میں بہت سارے پیسے لے کر آؤں گا آپ کا گھر آپ کی گاڑی سب کچھ پاپا سب کچھ پھر ماما بھی ہمارے پاس آجائیں گی، میں مما کو لے آؤں گا، پاپا پلیز ڈونٹ لیو می پاپا۔" بے بسی سے بولتا اپنی بد قسمتی پر رو پڑا۔

پیسہ کمانے کی ایسی دھن اس پر سوار ہوئی تھی کہ اس نے دن رات ایک کر دیا تھا رات کب ڈھلتی تھی، سورج کب نکلتا تھا اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔ کونسا کام برا اور غلط ہے اور کون سا اچھا اور جائز ہے اس کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ وہ تو اپنے کھلونے حاصل کرنے کے ارادوں اور معصوم خواہشات کو یکسر فراموش کر چکا تھا یاد تھا تو بس اتنا کہ اسے چاہنے اور پیار کرنے والے پاپا ہاسپٹل میں ہیں اور ان کے علاج کے لیے پیسہ چاہیے۔ اس مصیبت کی گھڑی میں شاہ زیب کے والد نے ان کی مدد کی تھی اور پاپا صحت یاب ہو کر گھر لوٹ آئے تھے۔ اس دن وہ بہت سے مشکل دنوں کے بعد مسکرایا تھا کیونکہ اس کے پپا بھی لب خنداں تھے۔

فیری کی کھل کھلاہٹ اسے واپس حال میں لے آئی تھی۔ وہ صوفے کی بیک پر سر جمائے فیری کے معصوم چہرے کو دیکھنے لگا جہاں اب تک پاپا کے آنے کا یقین چھایا ہوا تھا۔ نیلی آنکھوں میں امید کے ستارے جھلملا رہے تھے۔ چھوٹا ننھا دل نہ جانے پاپا کے جلدی آجانے کی کتنی ہی دعائیں مانگتا ہو گا جس طرح وہ اپنے پاپا کی تندرستی کے لیے چرچ میں موم بتیاں جلایا

کرتا تھا کیا اس کی بھی خواہشات ادھوری رہیں گی' چھوٹی چھوٹی آرزوئیں نامکمل رہیں گی میری تمناؤں کی طرح' زندگی کے تلخ حقائق و تجربات نے اس کا بچپن چھین لیا تھا اور حقیقت پسند بنا دیا تھا' ایک ایک پیسے کو بہت احتیاط اور سوچ سمجھ کر خرچ کرتا تھا۔

*_*_*

"کیسا ہے؟" لیلیٰ متجسس سی پوچھ رہی تھی جبکہ رادیہ کی آنکھیں گولڈ کا سیٹ دیکھ کر حیرت سے پھیل گئیں۔

"بہت اچھا ہے' کب لیا۔" رادیہ نے دل سے پسندیدگی کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ استفسار کیا۔

"کب لیا' تم تو یوں پوچھ رہی ہو جیسے اس سے پہلے بھی میں نہ جانے کتنے سیٹ لے چکی ہوں' ہماری سیلری تو ایک ہفتے میں ہی اڑنچھو ہو جاتی ہے یار یہ گفٹ ملا ہے۔" لیلیٰ نے فخریہ انداز میں ابروؤں کو جنبش دی۔

گفٹ' بے موقع میرا مطلب ہے تمہاری سالگرہ وغیرہ تو نہیں تھی پھر یہ" رادیہ سراسیمہ سی پوچھ رہی تھی۔

"کم آن یار گفٹ دینے اور لینے کے لیے کوئی خاص موقع کا انتظار نہیں کرتے یہ تو محبت کا اظہار ہوتے ہیں۔" لیلیٰ اپنی نرم و نازک انگلی میں انگوٹھی کو سجاتے ہوئے مخمور لہجے میں بولی۔

"اوہ' تو کس نے تم سے محبت کا اظہار کیا ہے۔" رادیہ خوش دلی سے بولی۔

"ہارون نے' یار کیا پرسنالٹی ہے اس کی سحرزدہ سی دیر سے ملا ہے مگر ملا تو سہی پتہ ہے رادیہ میں ایسے ہی ساتھی کی خواہشمند تھی۔ جو میری ہر خواہش کو پورا کرے' میں فرمائش کروں اور اس کے ماتھے پر بل تک نہ آئے۔ جانتی ہو میں نے اسے آزمانے کے لیے کیفے سے نکلتے نکلتے فرمائش کر ڈالی اور ہارون جھٹ سے جیولر شاپ گیا' میری پسند کا سیٹ دلوایا' کریڈٹ کارڈ دیا اور ہم دس منٹ میں واپس بھی آ گئے۔ تم یقین نہیں کر سکتیں اس وقت ہارون پر مجھے ٹوٹ کر پیار آیا خدا نے میری سن لی ہے۔" لیلیٰ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا تھا۔

"ابھی سے اتنا آگے مت بڑھو لیلیٰ اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہے' کس فیملی سے بی لونگ کرتا ہے۔ کیریکٹر کا کیسا ہے۔ یہ تمام باتیں جان کر پھر ہی کوئی فیصلہ کرنا۔" رادیہ نے مخلصانہ رائے دی۔

"ڈونٹ وری میں جانتی ہوں اب میرے ساتھ سب اچھا ہی ہونے والا ہے۔" لیلیٰ کو نہ جانے کیوں اپنی قسمت پر اتنا یقین تھا یا پھر شاید خوش فہمی تھی۔ تصویر کا ایک رخ دیکھ کر ہی سمجھ رہی تھی کہ سب کچھ پالیا۔

*_*_*

لال اینٹوں کی کوٹھی کی بڑی بڑی دیواریں فیری کے قہقہوں پر جھوم رہی تھیں۔ رادیہ جو مغموم سی بھاری دل کے ساتھ درمیانی لان سے گزر رہی تھی' فیری کے بلند و بالا قہقہوں پر چونک گئی۔ فیری کے ایسے ہنسی کے فوارے تب ہی چھوٹتے تھے جب اسے اس کی من پسند چیز ملتی تھی۔ رادیہ اسے منانے اور خوش کرنے کے لیے سستی سی چاکلیٹ اسکول سے لے کر آئی تھی۔

تمام دروازے کھلے ہوئے تھے' فیری کی آواز اب تک آ رہی تھی۔ رادیہ اس کے ہشاش بشاش چہرے کو دیکھ کر متحیر سی رہ گئی' اس کے گال ٹماٹر ہو رہے تھے ارد گرد پڑے بے شمار کھلونوں کے درمیان وہ خود بھی ایک گڑیا لگ رہی تھی۔ لٹل پپی کے ساتھ کھیلتے ہوئے وہ بے انتہا مسرور نظر آ رہی تھی۔ رادیہ کے لب خود بخود تبسم کے انداز میں وا ہو گئے۔ چہرے پر چھائی پژمردگی غائب ہو گئی اولاد کا کھلا ہوا چہرہ دیکھ کر ماں کے اندر ایسے ہی طمانیت کا احساس رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔

رادیہ جو فیری کو دیکھتے دیکھتے کھو سی گئی تھی' خود پر کسی کی نظروں کی گرمی کا احساس ہوا تو چونک گئی اور بے اختیار مڑ کر اسی جانب دیکھا جہاں سے یہ گرم لو آتی محسوس ہوئی تھی۔ رامش ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھامے اسے ہی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا بلیک ٹراؤزر اور ہاف سلیوز لوزلی شرٹ میں بھی وہ اچھا لگ رہا تھا۔ وہ

ہنوز پُرشوق نگاہیں اس پر جمائے ہوئے تھا اور اس کا یہی بے باک انداز رادیہ کو سخت ناگوار گزر تا تھا۔

"فیری۔" رادیہ جواب سنجیدہ ہو چکی تھی نے فیری کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"ماما، دیکھیں یہ اتنے سارے کھلونے، سب اچھے ہیں نا۔" فیری وہیں سے خوش خوش بولی۔

"ہاں بیٹا، بہت اچھے ہیں۔ آجاؤ اب کھانے کا وقت ہو رہا ہے جلدی آؤ۔" رادیہ کچھ سخت آواز میں بولی کیونکہ اب اسے کوفت ہونے لگی تھی۔ وہ شخص سامنے بیٹھ کر ڈھٹائی سے رادیہ کو گھور رہا تھا۔

"فیری کیا کہہ رہی ہوں میں جلدی آؤ۔" اس شخص کے سامنے اسے شرمندگی ہو رہی تھی کہ فیری مسلسل انکار میں گردن ہلا رہی تھی۔

"تو پھر میں یہ بھالو اور گڑیا بھی لے آؤں اپنے ساتھ۔" فیری دونوں کھلونے خود سے چپکائے معصومیت سے اجازت مانگ رہی تھی۔

"نہیں فیری یہ ہمارے نہیں ہیں۔ تمہیں میں نے ادھر آنے سے منع کیا تھا نا، پھر کیوں آئیں تم۔" فیری کی ضد نے رادیہ کو غصہ دلا دیا۔

"لیکن یہ کھلونے انکل نے مجھے لے کر دیے ہیں، کیوں انکل یہ میرے ہیں نا۔" فیری نے رامش کی تائید چاہی۔

"ہاں یہ سب تمہارے ہیں؟" رامش دلکش مسکراہٹ کے دوران پیار سے فیری کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"اچھا بس بہت ہو گیا چھوڑو انہیں۔" رادیہ نے جھنجلاتے ہوئے کھلونے چھین لیے تو فیری نے شور مچانا شروع کر دیا۔

"نہیں میں نہیں جاؤں گی، یہ میرے کھلونے ہیں۔"

"بد تمیز۔" رادیہ کا ہاتھ ہوا میں ہی لہرا کر رہ گیا کیونکہ رامش نے سرعت سے فیری کو اپنی بانہوں میں چھپا لیا تھا۔

"پلیز، پلیز ڈونٹ بیٹ ہر۔ تھپڑ کے ذریعے آپ اپنے اندر کے الاؤ اور غصے کو تو ٹھنڈا کر سکتی ہیں مگر اس معصوم کی خواہشات کا گلا نہیں دبا سکتیں۔ ننھے ننھے روئی کی طرح نرم گالوں پر پڑنے والے طمانچوں کے نشان تو ختم ہو جاتے ہیں مگر ان کی جلن ہمیشہ محسوس ہوتی رہتی ہے اور جلن بہت خطرناک ہوتی ہے چاہے جسم کی ہو یا احساسات کی جسم کی جلن کے لیے تو علاج ممکن ہوتا ہے۔ مرہم پٹی بھی ہو سکتی ہے مگر احساس کی جلن کی کوئی دوا نہیں ہوتی، احساسات کی جلن کو صرف پیار بھرے بولوں کی پھوار ہی کم کر سکتی ہے۔ ہمدردانہ رویہ اس کا علاج اور خلوص و محبت اس کی دوا ہیں۔"

رامش کی بیک رادیہ کی طرف تھی اور وہ فیری کو گلے لگائے انتہائی مدھم سا بول رہا تھا جیسے وہ خود کلامی کر رہا ہو یا پھر اس کے علاوہ کمرے میں اور کوئی نہ ہو، رادیہ جو غصے سے کھول رہی تھی، رامش کا یہ روپ دیکھ کر بے یقینی سے اس کی پشت کو گھور رہی تھی وسیع و عریض خوب صورت ہال میں سناٹا چھا گیا تھا اور شاید رامش بھی اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا۔

"فیری کو میں لے کر آیا تھا۔ تھوڑی دیر میں آجائے گی۔" رامش نے فیری کے گال پر پیار کرتے ہوئے فیصلہ سنا دیا تو رادیہ نے بھی بہتر یہی سمجھا کہ لوٹ جائے۔ فیری کے ساتھ زبردستی کرنا پھر اسے رلانا تھا اس لیے ناچار واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے۔

"تم اک بار پھر بغیر اجازت میرے گھر میں داخل ہوئی ہو تمہارے ملک میں اس کی کیا سزا ہے؟" رادیہ جو بیرونی دروازے تک پہنچ چکی تھی رامش کی آواز پر ٹھٹک گئی۔ کچھ دیر قبل کے اور اس رامش میں کتنا فرق تھا۔

"وہ، وہ دروازہ کھلا تھا اس لیے۔" رادیہ کو سچ مچ شرمندگی نے آلیا اور وہ اس قدر قریب آکر بولا تھا کہ رادیہ کچھ گھبرا بھی گئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے اگر میں اپنے دل کا دروازہ بھی کھول دوں تو تم وہاں بھی بغیر اجازت داخل ہو جاؤ گی، دین یو آر ویلکم۔" رامش اپنے کشادہ سینے پر دونوں ہاتھ جما کر دلفریب انداز میں بولا۔

"اپنی حد میں رہو، میں جانتی ہوں کہ فیری اس وقت میرا کہنا نہیں مانے گی اس لیے اسے یہاں چھوڑ

کر جا رہی ہوں کچھ دیر بعد وہ خود ہی آجائے گی۔ تم کسی خوش فہمی کو مت پالو کہ تمہارے کہنے پر فیری کو تمہارے پاس چھوڑ کر جا رہی ہوں اور آئندہ اس طرح کی گھٹیا گفتگو میرے سامنے مت کرنا کیونکہ میں تمہاری ان چکنی چپڑی باتوں میں آنے والی نہیں اس لیے بہتر ہے کہ کہیں اور جا کر طبع آزمائی کرو۔" وہ ترش روی سے بولتی اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورتی آگے بڑھ گئی۔

"تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ تم غصے میں بہت زیادہ حسین اور دلکش لگتی ہو' اس لیے غصہ کم کیا کرو۔" رامش اس کے مقابل کھڑا اس کے تپتے چہرے کو والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے چہکتے ہوئے بولا مگر رادیہ کو اس کا انداز لوفرانہ لگا۔

"دیکھو میں تمہیں بہت برداشت کر رہی ہوں۔ میرا ہاتھ تم پر بھی اٹھ سکتا ہے۔" رادیہ کو اس کا انداز گفتگو معیوب اور گھٹیا لگا آنکھوں میں پیدا ہوتی حریصانہ چمک پر وہ تپ کر رہ گئی تھی۔ تمام ہمتیں مجتمع کر کے اس نے اپنا مرمریں انگلیوں کا نازک سا ہاتھ دکھایا۔

"جو تمہاری بیٹی کو بچا سکتا ہے وہ خود کو بھی محفوظ کر سکتا ہے۔" برجستہ جواب اس کی ذہانت کا **متعکاسی** تھا۔ رامش آفندی تو اس کے قرب کا خواہاں تھا' اس کی جاذب النظر صورت کے ایک ایک نقش کو آنکھوں کے ذریعے جذب کر کے دل کو سیراب کر رہا تھا۔ قربت کے ان لمحات کو جاوداں بنانے کے لیے وہ جان بوجھ کر گفتگو کو طول دے رہا تھا اور اس کی یہ مکارانہ چال شاید رادیہ بھی سمجھ گئی تھی تبھی رامش کو بھسم کر دینے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

------*

رادیہ کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگی تھیں سر ایک پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ نیند کا کہیں نام و نشان نہ تھا اور اس دل گرفتگی کا باعث رامش آفندی کے بے باک الفاظ تھے کبھی کسی نے اس طرح کھلم کھلا اس کے ساتھ بد تمیزی نہیں کی تھی۔ جب سے وہ بے آسرا اور بے سائباں ہوئی تھی اس طرح کے چیپ عاشق مزاج آدمیوں سے اس کا واسطہ پڑتا ہی رہتا تھا مگر کوئی سیٹی بجانے' آنکھ مارنے یا پھر تھرڈ کلاس گندا سا گانا گانے پر ہی اکتفا کرتا تھا۔ مگر ایسا تب تک ہوتا رہا تھا جب وہ ایک سستے سے مکان میں دوسری کالونی میں رہتی تھی۔ جب سے یہاں آئی تھی مطمئن اور پر سکون تھی مگر رامش آفندی کی جرات اور ہمت پر وہ اندر ہی اندر ڈر گئی تھی۔

اکیلی عورت کا اس مرد کی دنیا میں جینا کتنا مشکل اور کٹھن ہے حریص نگاہیں' ہوس زدہ چہرے قدم قدم پر عورت کو ہراساں کرتے ہیں مرد کس طرح روپ اور رنگ بدلتا ہے وہ دیکھ چکی تھی اس لیے مردذات سے اس کا اعتبار اٹھ چکا تھا۔ ایک بار کا تجربہ ہی اس کے لیے سبق آموز تھا۔

رادیہ کی جلتی آنکھوں میں وہ صورت ٹھہر گئی جس پر اس نے اعتماد کیا تھا۔ باہر کے دن تھے ہر طرف بہار رانی کی حکمرانی تھی اور دھرتی بھی جیسے اس کے حکم کی منتظر تھی۔ اپنی کوکھ سے ایسے ایسے خوشنما اور رنگ بھرے پھول اگائے تھے کہ زمین سج گئی تھی ان حسین پیار بھرے لمحات میں رادیہ کو ایک پل کے لیے بھی کوئی پچھتاوا نہیں ہوا تھا کہ وہ کتنوں کے محبت بھرے دل توڑ آئی ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ ان کو دکھ دے کر وہ خوش رہتی اس نے باپ کا دل دکھایا تھا وہ خود کیسے آباد رہتی ماں کی آنکھ میں آنسو بھر دیے تھے تو اس کا دامن کیسے پھولوں اور کلیوں سے بھرا رہتا۔

خوشیوں کا دورانیہ بہت کم ہوتا ہے یہ رادیہ نے اب جانا تھا۔ شادی کے بعد اولین مسرت انگیز دن مٹھی میں قید ریت ثابت ہوئے تھے۔ گرفت چاہے کتنی ہی مضبوط ہو' ریت کے باریک باریک ذرات راستہ ڈھونڈ ہی لیتے ہیں اور جب مٹھی کھلتی ہے تو وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

جب اس کے گلشن کا پھول کھلا تب بھی ہر سو بہار کا جادو پھیلا ہوا تھا۔ مگر اس بہار نے اس کی خوشیوں کو آگ لگا دی تھی' قسمت میں بربادی لکھ دی تھی وہ جو پورا کا پورا بدل چکا تھا' اک سال کے اندر ہی محبت کا

جوش ٹھنڈا پڑ گیا تھا اب اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے طلاق کا جھومر اس کے ماتھے پر سجا دیا۔

اس کا زہر خند جملہ اب بھی رادیہ کے کانوں میں سیسہ پگھلاتا تھا۔

"جو میرے ساتھ گھر سے بھاگ کر آ سکتی ہے وہ با آسانی کسی دوسرے کے ساتھ بھی جا سکتی ہے اس لیے تم کو آزاد کر رہا ہوں۔"

حالانکہ وہ بھاگ کر نہیں آئی تھی۔ اپنی کورٹ میرج کرنے کا اس نے اپنی ماں کو بتا دیا تھا اور پھر اس نے شادی کی تھی مگر اس طرح کی شادیوں کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے کیونکہ ان میں ماں باپ کی پر خلوص دعائیں شامل نہیں ہوتیں۔ وہ لوز کیریکٹر نہیں تھی۔ اس نے تو محبت کرنے کی غلطی کی تھی اور بے اماں ہو گئی تھی۔ اس لمحے اسے اپنا آپ بڑا گھٹیا لگا۔ یوں لگا وہ پستی میں گر گئی ہے۔ اس کا وقار، عزت، مان اور اعتماد سب لٹ گیا اور اس کے لٹنے کا اہتمام بھی تو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے کیا تھا۔ وہ ایک کٹی پتنگ کی طرح ادھر ادھر ڈول رہی تھی۔ جس کا کوئی مالک نہیں ہوتا مگر ہر کوئی مالک بننے کو بے تاب ہوتا ہے۔ جس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنی مرضی کا استعمال ایک بار کر چکی ہوتی ہے۔ جو بے حیثیت اور بے وقعت ہوتی ہے۔ اپنی من مانی کرنے والی اپنی ضد منوانے والی اپنی خواہشات کو دوسروں کے حساس جذبات پر ترجیح دینے والی لڑکی کو تو عزت بھی نہیں ملتی۔ عورت کو خود اپنی نسوانیت کا وقار بلند رکھنا پڑتا ہے، جو عورت اپنی تعظیم خود نہیں کرتی تو دوسرے اس کو قابل تعظیم کیسے سمجھ سکتے ہیں، جو عورت اپنی نفسی خواہشات کے لیے اپنے تقدس کو پامال کر دیتی ہے اس کو وہ شخص بھی عزت و احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھتا جس کے لیے وہ اتنا بڑا قدم اٹھاتی ہے۔

----*

"کم آن شاہ زیب کم از کم تم تو یہ مت کہو کہ تم سے بزنس نہیں سنبھالا جا رہا۔" رامش جھلایا ہوا بولا۔

"دیکھو رامش یہ میری لاسٹ کال ہے اس کے بعد تم مجھے کال کر کے اپنی واپسی کا بتاؤ گے سمجھے، تمہارا بزنس سنبھالتے سنبھالتے پاگل ہو گیا ہوں میں، دن میں سکون ہے نہ رات کو چین اگر تجھے ایسے ہی کرنا تھا تو کیا ضرورت تھی اتنا بزنس پھیلانے کی، رامش سن رہا ہے تو۔" شاہ زیب جو طیش میں بول رہا تھا، دوسری طرف مکمل خاموشی کے باعث پوچھ بیٹھا۔

"ہوں سن رہا ہوں تیری فضول بکواس، سالوں پرانا وہی کام ہے۔ ایسی کون سی مشکل آن پڑی ہے جو میرا آنا ضروری ہے۔" رامش کے لہجے کا سکون شاہ زیب کو سلگا گیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے، یہاں سے میں سارا بزنس وائنڈ اپ کر لیتا ہوں اور ہم سب بھی وہاں شفٹ ہو جاتے ہیں۔" شاہ زیب نے جان بوجھ کر یہ بات کی وہ جانتا تھا کہ یہ وہ کبھی نہیں چاہے گا۔

"شٹ اپ شاہ زیب۔" رامش ایک دم ہی ماؤتھ پیس پر دھاڑا پھر نرم پڑتے ہوئے بولا۔

"اچھا بتاؤ پاپا کیسے ہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم، تمہارے پاپا ہیں تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔" شاہ زیب جب خفا ہوتا تھا تو یونہی بولتا تھا۔

"ہاہا، اچھا ماریہ تو تیری بیوی ہے نا، وہ کیسی ہے۔" رامش نے بلند قہقہہ لگاتے ہوئے شاہ زیب سے پوچھا۔

"کیوں میری بیوی تیری کچھ نہیں لگتی۔ رامش رشتے بنائے جاتے ہیں اور پھر ان کو نبھانا بھی بندے کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہر رشتہ اپنا ایک مقام رکھتا ہے۔ یہ اتنی بدگمانی اور بے اعتباری اچھی نہیں ہوتی۔ کبھی رشتے کو معنی پہنا کر تو دیکھ، محسوس تو کر، دنیا اتنی بری نہیں ہوئی ابھی جتنی تو سمجھ بیٹھا ہے۔" شاہ زیب الجھے ہوئے انداز میں بول رہا تھا جانتا تھا کہ وہ اس کی باتوں پر ہنس رہا ہو گا۔

"ہاں تجھے اور انکل کو دیکھ کر میری بھی رائے بدل جاتی ہے مگر صرف تم دونوں کے لیے۔" رامش صاف گوئی سے بولا۔

"اور ماریہ کے متعلق کیا کہے گا تو وہ تجھے اپنا بھائی مانتی ہے، بے تحاشا پیار کرتی ہے تجھ سے کم از کم یہ

رشتہ تو قبول کر لے۔" شاہ زیب زچ ہو کر بولا۔

"ماریہ تیری بیوی ہے اور میرے لیے قابل احترام ہے بس اور کچھ نہیں۔" رامش کے سرد اور اکھڑ لہجے پر شاہ زیب سن سا ہو گیا۔

"سوری شاہ اور پھر وہ مجھے پیار کرتی ہے تو تو کیوں جیلس ہو تا ہے۔" رامش جانتا تھا کہ شاہ زیب ہرٹ ہوا ہے اس لیے شگفتگی سے بولا انداز منانے والا تھا۔

"بہت ذلیل ہے تو' زیادتی بھی کر جاتا ہے اور ناراض بھی نہیں ہونے دیتا۔ اچھا سن یار ماریہ نے چند چیزیں منگوائی ہیں تو لیتا آنا پلیز۔" شاہ زیب نے ساتھ پلیز کی بھی رٹ لگا دی۔

"تم اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہو میں یہاں لیڈیز شاپنگ کروں گا؟" رامش پھر بھڑک اٹھا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے رہنے دو' پھر سہی؟" شاہ زیب نے فوراً" ہی منع کر دیا۔

"او کے او کے اب ماریہ کے آگے مجھے اتنا بھی برا مت بناؤ لسٹ لکھوا دینا میں لے آؤں گا۔" رامش کے بدلتے لہجے اور فوراً" ہامی نے شاہ زیب کو حیران کر دیا' کتنی ہی دیر ڈیڈ فون کو دیکھتا رہا۔

گیٹ سے آنے والی تانگے کی آواز پر رامش نے اپنے انکار کو اقرار میں بدل لیا تھا' اس کے شاطر دماغ میں ایک نئی ترکیب پیدا ہوئی تھی۔ آنکھوں میں چمک دگنی ہو گئی تھی' معنی خیز مسکراہٹ ہونٹوں پر جم کر رہ گئی۔

*__*__*

اتوار کے دن کی چھٹی تھی اس لیے وہ اپنے چھوٹے سے کوارٹر کی صفائی میں جتی ہوئی تھی۔ فیری مسلسل اپنے انکل کے پاس جانے کی ضد کر رہی تھی۔ ایک گڑیا بھی اس نے فیری کو نہیں لانے دی تھی۔

"تو پھر وکی کے ساتھ جا کر کھیل لوں۔" فیری شاید بہت زیادہ بور ہو رہی تھی۔

"فیری آج سنڈے ہے لوگ دیر تک سوتے رہتے ہیں۔" رادیہ اب اپنے بالوں کو سنوار رہی تھی تاکہ ان میں تیل لگا کر نہا لے۔

"ہیلو فیری۔" رامش نے قریب آتے ہوئے اونچی آواز میں کہا اور فیری تو جیسے منتظر تھی دوسرے ہی لمحے اس کی بانہوں میں تھی۔

"شام کو تم فارغ ہو تو میرا ایک کام ہے ذرا میرے ساتھ بازار چلنا ہے تمہیں۔" وہ یوں مخاطب تھا جیسے ان کے درمیان کوئی بہت گہرا اور پرانا تعلق ہو یا پھر جیسے رادیہ پہلے بھی اس کے کام کرتی آئی ہو' ساتھ چلنے کے لیے وہ حکم دے رہا تھا اجازت نہیں مانگ رہا تھا۔

اس کا بے تکلفانہ انداز مخاطب رادیہ کو غصہ دلا گیا چبھتی نگاہ سے رامش کو دیکھا مگر وہ چہرے پر شرارت سجائے ہوئے تھا۔

"اصل میں یہ لسٹ ہے اور اس کی تمام چیزیں مجھے لے کر جانی ہیں اور اس طرح کی شاپنگ کا میرا کوئی تجربہ نہیں اس لیے تمہاری ہیلپ مانگ رہا ہوں۔" رامش نے اس کے کڑے تیور دیکھ کر فوراً" لسٹ دکھائی۔

"پلیز آئی ریکویسٹ یو۔" رامش نے اسے نرم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"سوری ایک تو میرے پاس وقت نہیں' دوسرے اجنبیوں کے ساتھ بازاروں میں پھرنے کا مجھے شوق نہیں۔" رادیہ سرد مہری سے بولی۔

"اجنبی' بھئی میں تو فیری کا دوست ہوں پھر تمہارا بھی دوست ہی ہوا نا۔" رامش چالاکی سے بولا۔

"آپ خود کو میری بچی کا دوست کہہ رہے ہیں اس لیے میں اس وقت آپ کی بے عزتی کرنا نہیں چاہتی' آپ جا سکتے ہیں۔" رادیہ ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"کم آن آخر بازار تک جانے میں حرج ہی کیا ہے کیوں فیری۔" رامش نے جان بوجھ کر فیری سے کہا تاکہ وہ ضد کرے۔

"سوری' آپ فیری کو ساتھ لے جائیے۔" رادیہ کہتے ہوئے تیل کی بوتل اٹھا کر کوارٹر کے اندر چلی گئی اور زور سے دروازہ بند کر لیا رامش آفندی کی نگاہیں اب تک اس کے لچھے دار لمبے گیسوؤں میں اٹکی ہوئی تھیں۔ مگر اس کے انکار اور غیر لچکدار انداز پر وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

"ڈیم ہر کیا سمجھتی ہے خود کو' کس بات کا غرور ہے

آخر میں بھی تمہیں جھکا کر چھوڑوں گا۔" لڑکیاں اس کی ایک نگاہ التفات کی منتظر ہوتی تھیں ایک ہلکی سی مسکان پر اس کے پہلو میں بیٹھی ہوتی تھیں۔ اس کی شاندار اور متاثر کن پرسنالٹی و امارت پر فدا ہو کر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں اور یہ سچ بھی تھا کہ رامش کی زندگی میں اسی طرح کی لڑکیاں آئی تھیں ابھی تک۔

راویہ یقیناً" پہلی لڑکی تھی جو اس کی شخصیت سے امپریس نہیں ہوئی تھی اس کی دولت سے مرعوب نہیں ہوئی تھی۔ رامش کو اب تک یقین تھا کہ وہ پوز کر رہی ہے' دکھاوا کر رہی ہے اندر سے وہ ایک عام عورت کی طرح اس کی دولت حاصل کرنے کے لیے بے چین و بے قرار ہے۔

شام کے سائے پھیل چکے تھے جب اسے پجیرو کے ہارن کی آواز سنائی دی اور وہ قصداً" کوارٹر کے اندر چلی گئی' فیری کے ہاتھ میں پانچ چھ مہنگے مہنگے فراک دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"ماما یہ مجھے انکل نے لے کر دیے ہیں اور یہ پیسے بھی دیے ہیں کہ میں تم کو دے دوں۔ انکل کہہ رہے تھے کہ تم اپنی مرضی سے سوٹ لے لینا۔" فیری انتہائی مسرور سی نظر آ رہی تھی۔ ہزار ہزار کے نہ جانے کتنے نوٹ تھے جو فیری نے اس کے قریب چارپائی پر رکھ دیے تھے راویہ کا ایک دم ہی دل بھر آیا۔ اپنی توہین پر دماغ کھول کر رہ گیا مگر اس نے فیری پر ظاہر نہ ہونے دیا۔

"فیری آپ بہت تھک گئی ہیں بیٹا' کھانا کھا کر سو جائیں اب۔" فیری اب تک فراک دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

رامش اپنی کامیابی پر آپ ہی آپ مسکرا رہا تھا۔ منزل بس تھوڑی دور رہ گئی تھی۔

پیسہ چیز ہی ایسی ہے بڑے بڑوں کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے اور پھر راویہ بی بی تم تو ایک مجبور اور حالات کی ماری ہوئی ہو' پیسہ تمہاری ضرورت ہے۔ بس ایک اور جھلک دکھائی ہے نوٹوں کی اور تم کھنچتی چلی آؤ گی۔" رامش تب سے ایسی ہی سوچوں میں گھرا ہوا تھا۔ گزرتے لمحوں میں اسے قوی یقین ہو گیا تھا کہ راویہ اس کا تحفہ قبول کر چکی ہے۔

نیم وا دروازے کو اندر کی طرف دھکیلتے ہوئے راویہ نے ایک قدم اندر رکھا۔ ہاتھ میں بڑا سا شاپر تھا ململ کے سفید دوپٹے کے ہالے میں صبیح چہرے پر سنجیدگی اور تناؤ تھا۔

"اجازت کے بغیر آنا شاید تمہاری عادت بن چکی ہے بٹ یو آر ویلکم۔" رامش نے صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے دلنواز مسکراہٹ سے کہا۔

"میں یہاں بیٹھنے نہیں آئی بلکہ یہ لوٹانے اور صرف اتنا بتانے آئی ہوں کہ میں اپنی ضروریات پوری کرنے یا اپنی بیٹی کی پرورش کے لیے صدقہ خیرات نہیں لیتی۔" راویہ نے کرختگی سے کہتے ہوئے شاپر اور پیسے صوفے پر پھینک دیے اور رامش کو تو شاید کرنٹ لگا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ دس ہزار کی رقم لوٹانے آ جائے گی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو' یہ خیرات نہیں ہے تحفہ ہے۔" رامش نے جلدی سے کہا تاکہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔

"جو سمجھی ہوں بالکل ٹھیک سمجھی ہوں سب جانتی ہوں فیری سے تمہاری دوستی' ان عنایات اور اس بخشش کے پیچھے تمہارا کیا مقصد کارفرما ہے اچھی طرح جانتی ہوں میں۔" راویہ نے بھنچے ہوئے ہونٹوں کے دوران کہہ کر اسے شرمندہ کرنا چاہا۔

"رئیلی' تھینک گاڈ' چلو میری مشکل آسان ہوئی یہ رقم چوگنی بھی ہو سکتی ہے یا پھر جتنی تم کہو۔" رامش فوراً" اپنے مطلب پر اتر آیا۔ رامش کی بے باک نگاہیں راویہ کو اپنے جسم کے آر پار ہوتی محسوس ہوئیں۔

"کس قدر کمینے اور گھٹیا شخص ہو تم جس ملک سے تم آئے ہو وہاں عزت بکتی اور خریدی جاتی ہو گی یہاں تم بلینک چیک بھی دے دو گے نا تب بھی تمہاری خواہش پوری نہیں ہو گی سمجھے۔" راویہ اس ذلت پر لرز کر رہ گئی تھی۔

"ہاہا' ہر ملک میں عورت کو سامان آرائش و

زیبائش سمجھا جاتا ہے اس لیے اس کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے۔ کہیں سر عام تو کہیں چھپ چھپ کر اس کی اسمگلنگ ہوتی ہے اور جو تم "یہاں" پر اتنا اترا رہی ہو کہو تو ابھی ایک لائن لگا دوں اس ہال میں ہر ملک کی عورت صرف اور صرف جذبات کی تسکین کے لیے ہے تم کوئی الگ تو نہیں کروڑوں کی طرح ایک عام عورت ہو۔" رامش دو قدم کے فاصلے پر کھڑا عورت کے متعلق اپنی سوچ کو عیاں کر رہا تھا مگر راویہ کو محسوس ہوا وہ اس پر سنگ باری کر رہا ہے۔

"جیسا تم نے کہا ہے ویسا ہوتا ہو گا مگر رامش آفندی میں ایک عام عورت نہیں ہوں۔ سنا تم نے' میں ایک عام عورت نہیں ہوں میں ایک ماں ہوں یہ جو تمہارے سامنے مجبور اور تنہا عورت کھڑی ہے وہ ایک بیٹی کی ماں ہے۔ جس عورت کی تم اتنی تذلیل کر رہے ہو' ورغلانے کے لیے گندے حربے استعمال کر رہے ہو وہ تمہارے آگے کبھی نہیں جھکے گی۔" راویہ کی برداشت جواب دے گئی تو وہ غیض و غضب کے عالم میں دھاڑنے لگی اور اس کے اس طرح چلانے پر رامش مبہوت سا رہ گیا اس کا لب و لہجہ اس کے ارادوں کی پختگی کو ظاہر کر رہا تھا۔ اس کا مضبوط انداز صاف "ناٹ فار سیل" کے الفاظ ظاہر کر رہا تھا۔

"رامش آفندی تم تو یوں بول رہے ہو جیسے بازار اجناس میں بیٹھے ہو۔ مت بھولو کہ تم نے بھی ایک عورت کی کوکھ سے جنم لیا ہے' تمہاری بھی ماں عورت ہی ہے۔" رامش کو چپ پا کر راویہ نے اس پر چوٹ کی۔

"آن فارچونیلٹی میری ماں بھی تمہارے اس ملک سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر وہ بھی ہر عورت کی طرح پیسے کی دلدادہ تھی۔ اسے میرے پاپا اور مجھ سے تب تک محبت تھی جب تک میرے پاپا کے پاس دولت تھی' دولت نہیں رہی تو اس نے بھی ہم سے ناتا توڑ لیا ایسی عورت کے بارے میں تم کیا کہو گی ہاں۔" رامش کا لہجہ کاٹ دار اور آنکھیں پتھر ہو گئی تھیں' چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا مگر راویہ سے کچھ بولا ہی نہیں گیا کیا ایک ماں دولت کی خاطر اپنی اولاد کو چھوڑ سکتی ہے۔

"وائے آر یو سائلینٹ ناؤ کوئی جواب نہیں ہے نا تمہارے پاس اس کا' عورت کے ہزار روپ ہیں۔ اگر وہ اولاد کو چھوڑ سکتی ہے تو اس کے لیے بہت کچھ کر بھی سکتی ہے۔ میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ آگ میں چھلانگ لگا دیتی ہے اور کبھی کبھار اپنا آپ بیچ ڈالتی ہے' کچھ بھی کر سکتی ہے اپنی اولاد کی بہتر اور خوشحال زندگی کے لیے۔" رامش گھوم پھر کر پھر اپنی خواہش کو زبان پر لے آیا تھا اور ساتھ ہی اسے ترغیب بھی دے رہا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو' ایک ماں اپنی اولاد کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہے۔ دریا کی لہروں' طوفانی موجوں اور آندھیوں کے سامنے تن جاتی ہے۔ صحرا میں میٹھے پانی کا چشمہ ڈھونڈ نکالتی ہے۔ اپنی اولاد کی سانسیں بچانے کے لیے اس کے بدن کا زہر اپنے ہونٹوں سے چوس لیتی ہے اور جب بہت زیادہ مجبور و بے کس ہو جاتی ہے تو اپنے پاؤں میں گھنگھرو باندھ لیتی ہے' گلیوں میں ناچتی ہے صرف اور صرف اپنی اولاد کی خاطر مگر اس کو اس حال تک پہنچانے والا کون ہوتا ہے؟ وہ سارے تماشائی کون ہوتے ہیں؟ کوئی اس کی مجبوری نہیں پوچھتا صرف اسے ایک عورت سمجھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ سب کے سب تمہاری طرح عام مرد ہوتے ہیں جو اس کی بے بسی کا فائدہ اٹھانا جانتے ہیں جس طرح تم مجھ تک میری اولاد کے ذریعے پہنچنا چاہتے ہو' میری بیٹی میری مجبوری بن جائے گی اس غلط فہمی کو اپنے ذہن سے نکال دو۔" راویہ نے بھی رامش کو آئینہ دکھایا کہ مرد بھی کوئی اتنا پارسا نیک شریف نہیں ہوتا۔

"تم بولتی بہت اچھا ہو بٹ لیٹ می ٹیل یو میں نے ہمیشہ وہ حاصل کیا ہے جو چاہا۔" رامش پر کسی بات کا اثر نہیں تھا۔ بس ایک ہی دھن سوار تھی بالمقابل کھڑی سانولی سلونی لڑکی کو پانے کی۔ اپنے گلاس کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے اسے سراپا معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"دین لیٹ می ٹیل یو سم تھنگ مسٹر رامش آفندی اس مرتبہ تم کو ناکامی ہوگی کیونکہ تمہارا واسطہ

ایک ماں سے بڑا ہے اور ماں تا بہت زیادہ طاقتور ہوتی ہے اس لیے بہتر ہے کہ تم ارادہ بدل لو۔" رادیہ کے مستحکم لہجے پر رامش نے ابرو اچکا کر اس کو دیکھا۔

"ہاہا اپنی طرح باتیں بھی خوب صورت کرتی ہو، میرا خیال ہے دنیا کی سب سے کمزور عورت ایک ماں ہوتی ہے اور میں جانتا ہوں تم جو خود کو اتنا بہادر، کونفیڈنٹ اور مضبوط ظاہر کر رہی ہو اندر سے اتنی ہی بزدل اور کمزور ہو۔" رامش نے ہنستے ہوئے رادیہ کے دوپٹے کو چھوا جیسے اسے خوفزدہ کرنا چاہ رہا ہو۔

"تمہارا تجزیہ غلط ہے۔ میں بہت مضبوط ارادوں اور اعصاب کی مالک ہوں اتنی زیادہ کہ اپنی زندگی اپنے ہاتھوں سے ختم کر سکتی ہوں، مگر میں ایک ماں ہوں میں نہیں جانتی کہ تم تاریخ اسلام سے واقف ہو یا نہیں مگر قبل از اسلام زمانہ جہالت میں والدین بیٹی کی پیدائش کو باعث شرمندگی تصور کرتے تھے اور اس سے بچنے کے لیے اپنے ہاتھوں سے اسے مار ڈالتے تھے یا زندہ دفن کر دیتے تھے اور اس طرح شرمندہ ہونے سے بچ جاتے تھے۔ کاغذ کے چند ٹکڑوں کے عوض جو زندگی تم مجھے دینا چاہتے ہو وہ میرے لیے ندامت اور شرمندگی کا باعث ہو گی، جہاں میرا ضمیر مجھے ملامت کرے گا وہاں میں کبھی اپنی بیٹی کے آگے سر نہیں اٹھا سکوں گی۔ میری بیٹی کو جو تم آسائشیں دینا چاہتے ہو اس کے بدلے وہ مجھے نفرت، حقارت اور ملامت بھری نظروں سے دیکھے گی میں خود سے اپنی بیٹی سے اور بیٹی مجھ سے شرمندہ ہوتی رہے گی اور ایسی بے غیرتی کی زندگی سے موت اچھی ہے میں اپنے بیٹی کا گلا اپنے ہاتھوں سے دبا کر شقی القلب اور سفاک ماں کہلانا پسند کروں گی مگر ایک بے غیرت ماں نہیں۔"

رادیہ کے قطعیت بھرے انداز پر رامش سناٹے میں آ گیا۔ اس کے عزائم کی سچائی سرد غزالی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ چہرے کی تمکنت بتا رہی تھی کہ وہ جو کہہ رہی ہے کر گزرے گی۔ نازک کومل سی لڑکی چٹان ثابت ہو رہی تھی، وہ مسلسل پلکیں جھپکائے بغیر تنی ہوئی گردن کے ساتھ رامش کے سامنے کھڑی تھی۔ انگشت شہادت اور انگوٹھے کے درمیان رامش اب تک اس کے دوپٹے کی کریز کو تھامے ہوئے تھا مگر اس کے چہرے پر خوف تک نہ تھا۔

"اتنی بڑی بڑی باتیں کہنا بہت آسان ہے کرنا بہت مشکل ہے۔" رامش نے اس کا تمسخر اڑایا۔

"لیکن میرے لیے یہ سب کر گزرنا بالکل مشکل نہیں کیونکہ اس سے بھی زیادہ مشکل ترین کام میں پہلے کر چکی ہوں۔" رادیہ اٹل لہجے میں بولی۔

"اگر پھر بھی یقین نہیں آتا تو آزما کر دیکھ لو۔" رادیہ اس کی آنکھوں میں بے یقینی دیکھ کر دوبارہ گویا ہوئی۔

"میں چاہوں تو تمہیں ابھی اور اسی وقت حاصل کر سکتا ہوں۔ کون روکے گا مجھے تیسرا کوئی شخص نہیں جانتا کہ تم یہاں ہو مگر میں تمہیں تمہاری رضا کے ساتھ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہی میری خواہش ہے کہ تم خود چل کر میرے پاس آؤ۔" رامش نے پیچھے ہٹتے ہوئے اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

"تمہاری یہ خواہش حسرت میں بدل جائے گی رامش آفندی۔" رادیہ کے چہرے پر بلا کا سکون تھا۔

"لیٹس سی اس کھیل میں کس کی جیت اور کس کی ہار ہوتی ہے۔" رامش بھی اپنی خواہش سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا۔

"تم بھول رہے ہو یہ کھیل یک طرفہ ہے۔ مجھے ہار جیت سے کوئی دلچسپی نہیں میرے لیے یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے مگر تمہارے نزدیک یہ صرف ایک دلچسپ کھیل ہے یہ تو میں جان گئی ہوں کہ تم اپنی ماں کی وجہ سے عورت ذات سے نفرت کرتے ہو اور اسے ذلیل اور اپنے سامنے جھکا ہوا دیکھ کر اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرتے ہو اگر تمہاری رگوں میں ایک سچے مسلمان باپ کا شریف خون دوڑ رہا ہے تو اس کھیل میں سے مجھے نکال دو۔" رادیہ جتنے مطمئن انداز میں بولی تھی رامش اتنا ہی بھڑک اٹھا تھا اور جس شخص کا اس نے واسطہ دے دیا تھا بولنے کی سکت نہیں رہی تھی اس میں۔

"گیٹ آؤٹ فرام ہیئر، آئی سے لیو۔" رامش دھاڑتا ہوا ہال سے نکل گیا۔

"سچائی کو برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور

اس بھی مشکل ہوتا ہے اپنے کردار کی کمزوری سہنا۔" رادیہ کے لبوں پر طنزیہ مسکان تھی۔

......*

"پلیز مسز حیدری پلیز کچھ کیجیے آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ کل کی رات میں نے کس خوف میں گزاری ہے۔ ذرا سی آہٹ پر لگتا تھا وہ شخص دندناتا ہوا اپنی مرضی کرنے آگیا ہے۔ طیش کے عالم میں میں اس سے سب کہہ تو آئی تھی مگر جب مجھے یاد آیا کہ ماسٹر چابی اب تک اسی کے پاس ہے تو میری روح کانپ کر رہ گئی۔ تمام رات قرآنی آیتیں پڑھتے ہوئے گزاری ہے میں نے۔ مجھے اس کے ساتھ اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

رادیہ کا رنگ زرد، چہرہ مضمحل اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، بکھری بکھری پریشان سی رادیہ مسز حیدری کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھی۔

"تم نے جو کیا بالکل ٹھیک کیا اب شاید وہ سمجھ جائے کہ یہ لندن نہیں ہے جہاں سرِعام بے حیائی کا مظاہرہ ہوتا ہے اب جو ہو گیا ہے اسے یاد کر کے خود کو ہلکان مت کرو، مجھے تو لگتا ہے اب تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا مت ڈرو۔" مسز حیدری نے رادیہ کی ہمت بندھائی۔

"مسز حیدری وہ انا پسند مرد ہے اگر اس نے اس بات کو انا کا مسئلہ بنا لیا تو وہ کچھ بھی کر گزرے گا وہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے جنونی بھی ہو سکتا ہے۔ مسز حیدری کوئی بھی چھوٹا سا کمرہ کہیں بھی لے دیں پلیز۔ میں فیری کو بھی اس سے دور کر دینا چاہتی ہوں میں کمرہ شیئر کرنے کو بھی تیار ہوں مسز حیدری پلیز۔" رادیہ حد سے زیادہ ڈری ہوئی تھی۔ چاہے کتنی مضبوط اور بااعتماد سہی تھی تو ایک عورت۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، میں کچھ کرتی ہوں، فی الحال فیری کو لٹل فلاورز کیئرنگ سینٹر میں داخل کروا دیتے ہیں، وہ میری جاننے والی ہیں فیس وغیرہ کی فکر نہیں مسئلہ واپسی کا ہو گا صبح تو میں اسے اپنے بچے کے ساتھ آرام سے لے کر جا سکتی ہوں۔ تمہیں معلوم ہے میاں صاحب کا آرڈر ہے کہ دوپہر کا کھانا سسرال میں کھایا جائے تو میں تو وہاں چلی جایا کروں گی۔" مسز حیدری نے رادیہ کے اضطراب کے پیش نظر فی الحال یہ عارضی تجویز پیش کی۔

"کوئی بات نہیں واپسی پر میں خود لے آیا کروں گی۔ میں کل ہی فیری کو اپنے ساتھ لے آؤں گی۔" رادیہ کے چہرے پر ہلکا سا اطمینان اترا۔

"ہیلو، تمہیں کیا ہوا ہے؟" لیلیٰ جو چونچلے انداز میں داخل ہوئی تھی رادیہ کا زردی مائل چہرہ دیکھ کر چونک گئی۔

"کچھ نہیں، بس ذرا طبیعت خراب ہے۔" رادیہ اپنی مشکل اور دل کی بات صرف مسز حیدری سے کیا کرتی تھی۔

"کیوں نہ تمہیں بھی اپنے ساتھ مری کے صحت افزا مقام پر لے جاؤں، طبیعت خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔ کیوں چل رہی ہو پھر؟" لیلیٰ ہمیشہ ہی ان کو چونکا دیتی تھی اب بھی وہ کامیاب ہو گئی تھی۔

"مری جا رہی ہو تم، کب؟" مسز حیدری لیلیٰ سے متعجب سی پوچھ رہی تھیں۔

"تھوڑا سا موسم بدلے پھر، بچپن کی خواہش رہی ہے میری سنو فال دیکھنے کی۔ ہارون کیسے میری فرمائش پوری نہیں کرے گا۔" لیلیٰ نے ایک اور انکشاف کیا تھا۔

"تم ہارون کے ساتھ جا رہی ہو، کیا تک ہے اس طرح تنہا اس کے ساتھ جانے کی۔" رادیہ کو شاک سا لگا تھا۔

"کم آن رادیہ یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں ہارون ٹھیک کہتا ہے کہ شادی سے پہلے دونوں میں انڈر اسٹینڈنگ ہونی چاہیے۔ مزاج شناس ہونے کے لیے ظاہر ہے ہمیں تھوڑا بہت وقت ساتھ گزارنا ضروری ہے نا اور پتہ ہے ہارون جلد ہی مجھے فلیٹ لے کر دینے والا ہے۔ میں اپنے گھر کو اپنی مرضی سے سجاؤں گی، جہاں میں آزادانہ زندگی گزاروں گی۔ ہا..... بس جلد میرا یہ خواب پورا ہو جائے گا۔"

لیلیٰ کے چہرے پر سب کچھ پا لینے کا انوکھا رنگ چھایا ہوا تھا۔ آنکھوں میں مستقبل کے متعلق رنگین

اور خوشنما لمحات کا خمار تھا۔ رادیہ قصداً" خاموش رہی فقط متحیر سی ___ لیلیٰ کو دیکھتی رہی مگر اس کا ذہن اور دل کچھ کہہ رہا تھا۔

"ان اندھی خواہشات کے پیچھے اتنا مت بھاگو لیلیٰ کہ تم واپسی کا راستہ بھی بھول جاؤ۔ پرندہ اپنے نازک پروں کی طاقت دیکھ کر ہی پرواز اختیار کرتا ہے۔ اتنی اونچی اڑان مت اڑو کہ جب تھک کر نیچے گرو تو پتہ نہ چلے کہ نیچے زمین ہے یا دلدل۔ زمین پر سے تو شاید بچ جانے کا کوئی امکان بھی ہو مگر دلدل تو صرف اپنے اندر گھسیٹنا جانتی ہے۔"

*_*_*

"کیا کہہ رہے ہیں آپ خان بابا اس طرح اچانک بغیر کوئی نوٹس دیے وہ کس طرح کرایہ بڑھا سکتا ہے۔" رادیہ کا تو دماغ ہی گھوم گیا تھا بابا کی بات سن کر نئی پریشانی نے اس کو بے حوصلہ کر دیا۔

"کیا کر سکتا ہے بچہ، مالک کا مرضی اے سب کا کرایہ بڑھا دیا ہے ام کو بولا کہ جو نہیں مانتا وہ مکان خالی کر دے۔" خان بابا نے مزید رادیہ کو بوکھلا دیا۔

"اب کیا ہوگا بابا' میں تو اتنا زیادہ کرایہ نہیں دے سکتی' مسز حیدری بھی آج کل لاہور گئی ہوئی ہیں۔ اچھے ماحول میں نیا گھر ملنا بہت مشکل ہے۔ اب کیا کروں نیا مہینہ تو شروع ہونے والا ہے۔" رادیہ کے اندر ہونے والی اتھل پتھل اس کے چہرے سے مترشح تھی۔

"ام کو یاد آیا وہ سامنے والی کوٹی (کوٹھی) کا عورت بولا کہ تم ان کے دو بچہ کو انگریزی پڑھا دو ام بولا پوچھ کے بتائے گا۔" خان بابا کی یہ بات اس وقت رادیہ کو اندھیرے میں کرن دکھائی دی۔

"بابا آپ کو پہلے یہ بات بتانی چاہیے تھی پھر وہ منحوس خبر سنانی چاہیے تھی' اندھا کیا چاہے دو آنکھیں آپ ان سے کہیے گا کہ میں پڑھا دوں گی۔" رادیہ فوراً" ہی تیار ہو گئی۔ اس لمحے تھوڑے سے پیسے بھی اس کو غنیمت لگے۔

"مگر پڑھانے کے واسطے تم کو ان کے گھر جانا پڑے گا۔ وہ ام کو ایسا ہی بولا۔" خان بابا نے بتایا۔

"کوئی بات نہیں سامنے تو ہے۔ دو تین بچے اگر اور کالونی کے آ گئے تو میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔" رادیہ جو تھوڑی دیر پہلے سخت پریشان تھی اب ریلیکس فیل کر رہی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ۔

"رامش آفندی دیکھو میرا بھی خدا ہے تم نے میرے لیے مشکل کھڑی کی اور اس نے بیٹھے بٹھائے اسے آسان بنا دیا۔"

*_*_*

سردرتوں کا آغاز ہو چکا تھا' سردی نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ تاحال رادیہ کو دوسرا گھر نہیں ملا تھا۔ مگر رامش نے اسے تنگ کرنا اور فورس کرنا کم کر دیا تھا البتہ شام میں فیری کے ساتھ ضرور وقت گزارتا تھا جس وجہ سے رادیہ اب فیری کو بھی اپنے ساتھ سامنے والے گھر لے جاتی تھی۔ مسز مبارک اچھی خاتون تھیں پان کھانا شاید ان کا شوق تھا' لہجہ جتنا شیریں اور شہد آگیں تھا چہرہ اتنا ہی کرخت اور سپاٹ تھا' آواز اور چہرہ آپس میں کبھی میل نہیں کھاتا تھا۔ ان کی دونوں بیٹیوں کو وہ ٹیوشن پڑھاتی تھی' چار بچے اور آ گئے تھے مسز مبارک بلاناغہ رادیہ کو چائے کا کپ بڑے خلوص سے پینے کے لیے دیتی تھیں۔ ٹیوشن پڑھا کر جب وہ نکلتی تھی تو اکثر ہی رامش آفندی سے ٹاکرا ہو جاتا تھا۔ وہ کہیں جا رہا ہوتا یا پھر آ رہا ہوتا مگر وہ رادیہ کو ایسی جلتی اور سلگتی نگاہ سے دیکھتا کہ رادیہ اندر سے دہل جاتی مگر بظاہر وہ اس کو اگنور کرتی ہوئی خود کو ایک تناور درخت کی مانند ظاہر کرتی۔

کبھی کبھی رادیہ کا ذہن رامش کے دیکھنے کے انداز پر الجھ کر رہ جاتا تھا ان کالی چمکدار آنکھوں میں تذلیل ہوتی تھی نہ حقارت نفرت نہ انتقام نہ چیلنج' مگر پھر بھی بہت کچھ ہوتا تھا اور اس کی آنکھوں کے اس رنگ کو وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی' اس کی خاموشی اور شرافت بھی پراسرار سی لگتی کیا وہ کوئی نئی اسکیم سوچ رہا ہے اسے تنگ کرنے کے لیے یا پھر کوئی گہری چال آخر یہ شخص اپنی نگاہوں سے زبان کا کام کیوں لیتا ہے منہ سے پھوٹ کیوں نہیں دیتا جو اس کے دل میں ہے بے باک اور نڈر تو انتہا سے زیادہ ہے' جو محسوس کرتا

ہے' جو دل چاہتا ہے وہ فوراً" کہہ دیتا ہے تو پھر اب کیوں چپ ہے۔

اف یہ شخص کب میری جان چھوڑے گا کب جائے گا یہاں سے' رادیہ کا اپنا دماغ ایک ہانڈی کی طرح پک رہا تھا' سردی کے باوجود اس کا جسم گرم ہو رہا تھا کچھ غصے اور کچھ کوفت کے باعث۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔" رادیہ جو دل میں دعا مانگتی آ رہی تھی کہ وہ نظر نہ آئے گیٹ کے اندر آتے ہی اسے رامش کی جاندار بے تکلفانہ آواز سنائی دی نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو کالی عقابی نگاہوں اور سخت چہرے کے ساتھ رادیہ کو ہی گھور رہا تھا۔ رادیہ کے چہرے کے تاثرات سوالیہ تھے۔

"ویسے تو تم خود بہت اچھی اور پیاری باتیں کرتی ہو بالکل اپنی طرح ایک اچھی بات مجھے بھی یاد آ گئی تو سوچا تمہیں بتا دوں۔ نظر آنے والا شیطان صفت انسان اتنا خطرناک ثابت نہیں ہوتا جتنا دوغلا اور دو روپ والا انسان۔" رامش اس کے چہرے پر پھیلی کنفیوژن دیکھ کر دوبارہ گویا ہوا۔

"اور تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ تم ایک ماں" ہو یو شوڈ آلوز ریمیمبر ڈیٹ۔" رامش کی آنکھوں اور آواز دونوں میں کاٹ تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" رادیہ اپنی اہانت پر سلگ گئی یعنی اب وہ اس کو بتا رہا تھا کہ وہ ایک ماں ہے۔ مگر رامش کچھ کہنے کی بجائے اسے ایک نگاہ غلط سے دیکھتا اپنی پجیرو میں جا بیٹھا اور رادیہ چکراتے سر کے ساتھ اس کے کہے الفاظ کے معنی اخذ کرتی رہی مگر ناکام رہی۔

"ہونہہ اس کا مقصد صرف مجھے ذہنی اذیت دینا ہے۔" اپنے سر کو جھٹک کر اس کے جملوں کو ذہن سے باہر نکال پھینکا۔

*_*_*

"مس جی وہاں بازار میں کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ لٹل فلاور اسکول میں بم پھٹا ہے۔" اسکول کے چپڑاسی نے رادیہ کی پوری جان نکال دی۔

"کیا کہہ رہے ہو کرم دین۔" رادیہ بمشکل بول پائی۔ دل پر گھونسہ سا لگا۔

"سچ کہہ رہا ہوں جی' پولیس کی کتنی گاڑیاں اس طرف بھاگ رہی تھیں۔ میں آپ کو بتانے کے لیے بھاگا آیا۔" کرم دین چپراسی کے چہرے کی سنجیدگی اس واقعے کو سچ ثابت کر رہی تھی۔

رادیہ اپنے مولا کریم سے فیری کے ساتھ دوسرے بچوں کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگتی سنسان سڑک کے فٹ پاتھ پر تقریباً" بھاگنے کے سے انداز میں چل رہی تھی' بازار اس کالونی سے کافی دور تھا اس لیے رکشہ تانگہ وغیرہ اس وقت شاذونادر کالونی کے اندر نظر آتے تھے' ویران سڑک رادیہ کو اور ہولا رہی تھی' رکشہ مل جانے کی دعا کرتی وہ بس چلے جا رہی تھی۔ برے برے خیالات اور شیطانی وسوسے اس کا دل ڈبو رہے تھے' رنگت لٹھے کی طرح سفید ہو گئی تھی گاڑی کی آواز پر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور ہاتھ سے اشارہ کرنے لگی۔

"پلیز رکیے' پلیز میری مدد کیجیے' خدا کا واسطہ ہے رکیے۔" رادیہ جو معطل ہوتے حواسوں کو اکٹھا کر کے پوری ہمت و قوت سے چلا رہی تھی' فٹ پاتھ سے نیچے اتر گئی تھی مگر یہ تو نفسانفسی کا دور ہے' کون کسی کی خاطر اپنی قیمتی وقت برباد کرتا ہے۔ رادیہ اس گاڑی والے کی بے حسی پر روتی دوبارہ بڑے بڑے قدم اٹھانے لگی۔ رادیہ کی نم آنکھیں لمبی سڑک پر جمی ہوئی تھیں کہ کب اس کی طوالت ختم ہو گی اور بازار شروع ہو گا' ایسے میں نیچے چھوٹے سے گڑھے کو نہ دیکھ پائی اور پوری قوت سے اوندھے منہ فٹ پاتھ پہ جا گری ہاتھ میں تھا پرس دور جا گرا سر چکرا کر رہ گیا' سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا ہوا ہے اور پھر اپنی ہی حالت اور بے کسی پر وہیں فٹ پاتھ پر ہی بیٹھ کر رو دی دل تو اس کا چاہ رہا تھا کہ اتنی زور زور سے چیخیں مارے کہ آسمان گونج کر رہ جائے اور ان ساتوں آسمان کے اوپر رہنے والا خدا بھی دیکھ لے ایک بنت حوا کی بے بسی ایک ماں کی آہ و بکا۔

گاڑی کے ٹائر بالکل اس کے قریب آ کر چرچرائے تو رادیہ نے تیزی سے سر اٹھایا' رامش آفندی اس کی

طرف بڑھ رہا تھا شاکڈ سا۔

"پلیز مجھے لفٹ دے دو' بم بلاسٹ ہو گیا ہے' مجھے لے چلو' پلیز۔" رادیہ جو سرعت سے کھڑی ہوئی تھی' تیز سانسوں کے دوران بولی۔

"فیری ٹھیک ہے۔" رامش اس کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر اب تک حیران تھا۔

"پلیز' بس تھوڑی دیر لگے گی' بم بلاسٹ ہو گیا ہے' آئی بیگ یو' پلیز مجھے فیری کے پاس لے چلو۔" رادیہ تو مخبوط الحواس ہو گئی تھی۔ اس نے رامش کی بات سنی ہی نہیں۔

"فار گاڈ سیک' ہوش میں آؤ' فیری بالکل ٹھیک ہے۔" رامش اسے دونوں بازوؤں سے جھنجھوڑتا ہوا گرجدار آواز میں بولا رادیہ کے بے یقینی سے دیکھنے پر رامش اس کو ایک بازو سے تھامے پجیرو کے قریب لے آیا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر فیری لیٹی ہوئی تھی رادیہ نے بے تابی سے بیک ڈور کھولنا چاہا تو رامش بولا۔

"ڈونٹ ڈسٹرب ہر' دھماکے کی آواز سے ڈر گئی تھی۔ ڈاکٹر نے نیند کا انجکشن لگایا ہے۔ آفٹر ٹو آر تھری آورز ریسٹ شی ول بی آل رائٹ۔" رامش پہلی بار اتنی نرمی اور ملائمت سے رادیہ کے ساتھ بولا تھا اور رادیہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے مگر یہ تشکر اور خوشی کے تھے۔

"لک آئی ایم گیٹنگ لیٹ اس لیے بقیہ رونے کا پروگرام گاڑی میں بیٹھ کر پورا کر لو۔" رامش فرنٹ ڈور کھولے پھر اپنے موڈ میں آچکا تھا۔ رادیہ چادر کے پلو سے آنسو پونچھتی خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

اس کے اعصاب اور ذہن اب تک اس واقعے کے زیر اثر تھے' یہ اس کے جسم کا ارتعاش بتا رہا تھا۔ اس لیے رامش آفندی نے بھی اسے مخاطب نہ کیا۔ کسی دوسری سچویشن میں وہ اس کے اتنے قریب بیٹھی ہوتی تو وہ نہ جانے کیا کیا کہہ چکا ہوتا کیا کر چکا ہوتا۔

"ریلیکس ہنی' ریلیکس۔" رامش فیری کو نہایت آہستگی اور احتیاط سے لٹاتے ہوئے پیار بھرے انداز میں بولا۔ اور پھر اس کی سنہری پیشانی کو چومتے ہوئے بنا کچھ کہے باہر نکل گیا۔ رادیہ دروازہ بند کر کے فیری کے پاس آ گئی۔ اس کے ننھے ننھے ہاتھوں کو پیار کیا پھر جیسے ہی پیشانی پر اپنی ممتا کی مہر لگائی تو جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی تازہ سگریٹ کی بو فیری کی پیشانی پر رہ گئی تھی۔

"صاب فیری سے سچ سچ بہت محبت کرتا اے ام جیسے ہی اس کو بتایا' اپنی دوست کو گاڑی سے اتارا اور ایک منٹ کا دیر کیے بغیر چل پڑا۔" خان بابا فیری کو دیکھ کر رامش کی محبت میں بول رہا تھا اور وہ بھی پہلی مرتبہ۔

رادیہ کو کچھ کچھ شرمندگی بھی ہوئی کہ چاہے وہ کتنا برا آدمی تھا مگر اس وقت جو اس نے کیا تھا وہ قابل تحسین تھا۔

......*

"رامش بیٹا لگتا ہے تم بھول گئے ہو کہ تمہارا ایک باپ بھی ہے اور جو ابھی زندہ ہے بدقسمتی سے۔" اکبر آفندی کی دکھ بھری آواز موبائل سے ہوتی رامش کے کانوں سے ٹکرائی۔

"بابا پلیز' ایسی باتیں کرنے کے لیے آپ نے فون کیا ہے آئی ایم لکی کہ آپ میرے بابا ہیں۔" رامش کا لہجہ محبت سے بھرپور تھا۔

"اینڈ آئی ایم لکی ایسٹ فادر مائی سن اینڈ آئی ایم مسنگ یو۔" اکبر آفندی سچ بول گئے۔

"میں بھی بابا آپ کو بہت مس کرتا ہوں ڈونٹ وری میں اگلے ہفتے تک آجاؤں گا۔ پرامس۔" رامش نے وعدہ کر لیا اور پھر تھوڑی دیر بعد سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"تمہیں یہ بھولنا نہیں چاہیے کہ تم ایک ماں ہو۔" رامش ایک بار پھر وسطی لان کے بیچ کھڑا اسے یاددہانی کروا رہا تھا۔

"میری زندگی کی یہ سب سے بڑی حقیقت ہے اور میں اسے ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش نہیں کرتی اور آئندہ میرے راستے میں مت آنا۔" رادیہ کٹیلے لہجے میں بولی۔

"تھینک گاڈ کہ تمہیں یاد ہے بٹ لیٹ می ٹیل یو ایک ماں کو اتنا بے خبر اور مدہوش نہیں رہنا چاہیے۔"

رامش سگریٹ کا کش لیتے ہوئے پھر ناصحانہ انداز میں بولا۔

"رامش آفندی مجھے نصیحت کرنے اور مشورہ دینے سے پہلے بہتر ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو پہلے خود کو راہ راست پر لاؤ پھر ناصح بننے کی کوشش کرنا اور میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا مت آیا کرو میرے راستے میں، میں اپنا برا بھلا تم سے بہتر سمجھتی ہوں، تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔" رادیہ نے رامش کے کردار پر چوٹ کی چہرے پر ناگواری تھی۔

"یہی خرابی ہے تم لوگوں میں مفت کے مشورے کو بھی قبول نہیں کرتے۔" رامش پر رادیہ کی چبھتی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اس لیے مطمئن سا دھواں اڑاتے ہوئے بولا۔

"تو پھر رامش آفندی تم ان خراب لوگوں کے درمیان کیوں آ گئے ہو، تمہیں دعوت نہیں دی تھی کسی نے۔" رادیہ بھنا کر بولی۔

"ہاہا، آر یو سکیئرڈ آف می؟ ہوں۔" رامش کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی اب۔

"چلے جاؤ یہاں سے اس طرح مجھے بار بار تنگ کر کے کیا ملتا ہے تمہیں کیا چاہتے ہو تم۔" رادیہ جو اس کی شوخ نظر اور تبسم دیکھ کر تاؤ کھا کر رہ گئی تھی روانی میں غلط بات کہہ گئی۔

"ہاہا، تم اچھی طرح جانتی ہو۔" رامش خباثت سے ہنسا پھر اس کے تپتے چہرے پر نظریں جما کر بولا۔

جاگی نہ تھیں نسوں میں تمنا کی ناگنیں
اس گندمی شراب کو جب تک چکھا نہ تھا

اور رادیہ پسینے میں نہا گئی۔ چہرہ یک لخت گرم ہو گیا رادیہ کا دل چاہا ایک زور کا طمانچہ اس ذلیل شخص کے منہ پر دے مارے وہ تو اچھا ہوا کہ اسی وقت خان بابا اندر آ گئے اور رادیہ نے کوارٹر کی طرف جاتے ہوئے خان بابا کی آواز سنی۔

"صاب آپ سے کوئی میم صاحب ملنے کے واسطے آئی ہے۔"

--*

"شکر ہے مسز حیدری آپ واپس آ گئیں ورنہ میں تو یہ ہی سمجھ بیٹھی تھی کہ لاہور آپ کو راس آ گیا ہے اور اب آپ کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔" رادیہ اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔

"ارے وہ تو میرے میاں وہاں پہنچ گئے تھے تو انہوں نے آنے دیا ورنہ اماں تو اب بھی روک رہی تھیں۔ شادی کے بعد ویسے بھی میکے کی قدر بڑھ جاتی ہے۔" مسز حیدری کے انداز سے جھلکتے غرور کو دیکھ کر رادیہ چپ سی ہو گئی۔

"رادیہ پلیز میرا ایسا ویسا کوئی مطلب نہیں تھا۔" مسز حیدری ایک دم ہی پریشان ہو گئیں۔

"میں جانتی ہوں مگر یہ حقیقت ہے کہ میکے کا مان لڑکی کی شادی ہوتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے۔" رادیہ کا زخم ایک دم ہی ہرا ہو گیا۔

"اچھا چھوڑو، وہ اپنی کشمیر کی کلی لیلیٰ نظر نہیں آ رہی کہیں کسی کے ساتھ پھر تو نہیں ہو گئی۔" مسز حیدری نے موضوع بدل دیا۔

"ہارون کے ساتھ مری گئی ہوئی ہے میں نے تو بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر سب بے سود، تعجب کی بات ہے نا مسز حیدری کہ اس کے رشتے دار بھی اسی شہر میں رہتے ہیں مگر کسی نے کبھی اس کی خبر نہیں لی کیا تمام رشتے ناتے صرف ماں باپ کی زندگی تک ہی زندہ رہتے ہیں مجھے لگتا ہے اپنوں کی بے رخی نے اس کو زیادہ ہٹ دھرم، بے پروا اور آزاد منش بنا دیا ہے۔" رادیہ پہلی بار لیلیٰ کے متعلق گفتگو کر رہی تھی۔

"ہاں ڈیئر اب ایسا ہی ہے۔ وہ پرانا وقت تھا جب یتیم لڑکی کو سارا خاندان اپنی عزت سمجھتا تھا۔ اب تو لڑکی ذات کی ذمہ داری لینے کو کوئی تیار نہیں ہوتا اور پھر اس مہنگائی کے دور میں جہاں اپنا پیٹ بھرنا مشکل ہے وہاں کون کسی غیر کو کھلا پلا سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر برائی کو کوئی بھی اپنے گھر دعوت نہیں دیتا۔ سمجھیں۔" مسز حیدری زمانہ شناس تھیں اس لیے تفصیلاً جواب دیا۔

"اب لیلیٰ اتنی بھی بری نہیں ہے مسز حیدری بس دوستیاں ذرا زیادہ کرتی ہے۔" رادیہ شریر انداز میں بولی۔

"اسی طرح مسکرایا کرو، اچھی لگتی ہو۔" مسز حیدری نے اس کی دل موہ لینے والی مسکراہٹ کو توصیفی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

♥ ♡ ♡ ♡ ♥

"میرے پپا کیوں نہیں آتے وہاں سب کو ان کے پاپا لینے آتے ہیں۔" فیری مسلسل یہی پوچھ رہی تھی۔ جب سے وہ کیئرنگ سینٹر جانے لگی تھی پاپا کی کمی کو زیادہ محسوس کرنے لگی تھی یا پھر بچوں کے کھلونے دیکھ کر فرمائش شروع کر دیتی تھی۔ رادیہ اور بھی مشکل میں پھنس گئی تھی۔

"میں نے کہا ہے نا کہ آپ کے پپا جلد ہی آجائیں گے۔" رادیہ نے پرانا جواب دہرایا۔

"نہیں ان سے کہیں کہ فیری کہتی ہے جلدی آئیں، ماما پلیز پاپا سے کہونا۔" فیری پہلے چیخی پھر رادیہ سے لپٹ کر ملتجی انداز میں بولی۔

"میری جان، اچھے بچے مما کو تنگ نہیں کرتے بیٹا۔" رادیہ نے بمشکل اپنی آنکھوں کو نم ہونے سے روکا فیری کو سینے سے لگا کر آہستگی سے کہا۔

"چلو ٹیوشن کا ٹائم ہو گیا ہے کل پھر میں اپنی بیٹی کو چاکلیٹ لے کر دوں گی اب چلو۔" رادیہ فیری کو بہلاتے ہوئے بولی۔

"نہیں مجھے نہیں جانا میں انکل کے پاس جا رہی ہوں نہیں بولتی میں آپ سے۔" رادیہ روٹھ کر کوٹھی کے اس طرف بھاگ گئی رادیہ نے خود کو مایوسیت کا شکار نہیں ہونے دیا۔ مسز حیات کے گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا ان کے اپنے بچے بھی اب تک کتابیں لے کر باہر نہیں آئے تھے۔ رادیہ پریشان سی ایک دروازے کی طرف بڑھی مگر اندر سے آتی مسز حیات کی آواز پر ٹھٹک کر رک گئی۔

"بس سمجھو کہ چڑیا جال میں پھنس گئی ہے، بس تھوڑا صبر سے کام لو۔" مسز حیات ایک گھٹیا عورت کی طرح بول رہی تھیں۔

"میری جان ذرا جلدی کرو کہیں ایسا نہ ہو چڑیا اڑ جائے۔" مسٹر حیات کی آواز رادیہ نے پہچان لی۔

"آج تک کوئی اڑنے دی ہے جو یہ پھر ہو جائے گی بس ایک دو دن ٹھہر جاؤ چائے کے کپ میں گولی بھی تو ملانی ہے۔ بیٹی بھی بڑی خوب صورت ہے دونوں کے منہ مانگے دام لگیں گے اور پھر آگے پیچھے کوئی بھی نہیں ہے۔ اس لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہو گا۔ مجھے تو لگتا ہے تمہاری اپنی نیت خراب ہو گئی ہے رادیہ پر؟" مسز حیات اپنی گھناؤنی پلاننگ سے اپنے شوہر کو مطلع کر رہی تھیں۔

"ہاہا۔۔۔" مسٹر اکبر کا مکارانہ قہقہہ رادیہ کو دہلا گیا۔ جرسی اور گرم شال اوپر لینے کے باوجود اس کو اپنا آپ گرم دہکتا ہوا ایندھن محسوس ہوا کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے کیسے اور کس طرح وہ کوارٹر پہنچی تھی اسے علم نہیں تھا۔ دماغ میں طرح طرح کی سوچوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ مسز حیات کا کرخت چہرہ اور حلاوت سے بھرپور لہجہ یاد آ رہا تھا مٹھاس میں ڈوبے ان کے الفاظ چہرے کا ساتھ کیوں نہیں دیتے تھے اب اس کی سمجھ میں آیا تھا۔

"یا میرے خدا یہ کیسی تیری دنیا ہے اور کیسے بندے ہیں تیرے، خود غرض، مطلب پرست، لالچی، مفاد پرست، عیار و مکار، دوغلے، حرص اور طمع اتنی زیادہ ان کے اندر رچ بس گئی ہے کہ اندھے ہو گئے ہیں بے شعور ہو گئے ہیں اگر بینائی اور شعور رکھتے تو کسی سے زندگی جینے کا حق نہ چھینتے۔

اور مسز حیات عورت ہو کر ایک عورت کی بربادی چاہ رہی تھیں خود ایک ماں ہو کر دوسری ماں کو رسوا کرنے پر تلی ہوئی تھیں بنت حوا ہو کر دوسری بنت حوا کو فروخت کرنے کا منصوبہ بنا رہی تھیں جیسے وہ کوئی بھیڑ بکری ہو، میری معصوم بیٹی کو بھی اسی نظر اور زاویے سے دیکھتی رہیں، اپنی بھی تو ان کی دو بیٹیاں ہیں۔

یا میرے خدایا اگر آج میں یہ سب کچھ نہ سن لیتی تو میں کبھی بھی ان کے نقاب لگے چہرے کے پیچھے چھپی مکروہ صورتوں کو پہچان نہ پاتی اور پھر۔۔۔

آگے کا سوچ کر رادیہ کا دل نیچے بیٹھتا گیا۔ سر چکرانے لگا کمرہ گھومتا ہوا محسوس ہوا یوں لگ رہا تھا کہ وہ شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی ہے۔ یخ سردی کے باوجود اس نے فین آن کر دیا اور چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں

میں تھام کر نیچے آکھڑی ہوئی۔
"آپ ٹیوشن پڑھائے بغیر آگئیں۔" فیری جو دبے پاؤں اندر آگئی تھی۔ رادیہ کی ٹانگوں کے قریب کھڑی پوچھ رہی تھی۔
"فیری میری جان۔" رادیہ اسے اپنی بانہوں میں بھر کر بے اختیار چومتی گئی۔ آنکھیں تھیں کہ بہے جا رہی تھیں۔
"کیا ہوا مما آنٹی نے ڈانٹا ہے؟" فیری معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔
"تمہیں بیٹا آپ کو کیسے معلوم ہے کہ میں پڑھائے بغیر آگئی ہوں۔" رادیہ نے آنسو پونچھتے ہوئے چونک کر پوچھا۔
"میں اور انکل آپ کو دوربین سے دیکھ رہے تھے، وہ ادھر اوپر سے۔" رادیہ نے کوٹھی کی تیسری منزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ رادیہ پھٹی پھٹی متحیر نگاہوں سے فیری کے کھلتے چہرے کو دیکھتی رہی اس وقت اس کو بے ساختہ ایں فاختہ کی کہانی یاد آگئی جس کے دونوں طرف موت تھی، ایک طرف زہریلا سانپ تو دوسری طرف سنگدل شکاری دونوں طرف بس موت۔
اچانک ہی رادیہ کے ذہن میں رامش آفندی کی باتیں بازگشت کرنے لگیں "دو چہرے والا اور بدنیت انسان زیادہ خطرناک ہوتا ہے بانسبت ظاہری شیطان صفت انسان کے، تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ تم ماں ہو، اتنی بے خبری اچھی نہیں ہوتی۔" اس کی نظروں میں کیا ہوتا تھا وہ جان گئی تھی۔ وہ اپنی کالی چمکدار آنکھوں کو سکیڑ کر اسے ٹٹولتا تھا۔ چہرے کو پڑھتا تھا کردار کی کمزوری کو کھوجتا تھا۔
"اس کا مطلب ہے رامش آفندی تم ان لوگوں کے باطن کو جانتے تھے، اندرونی سرگرمیوں سے باخبر تھے اس لیے مجھے اشارے کنایوں میں سمجھاتے رہے، تنبیہہ کرتے رہے مگر صاف الفاظ میں کیوں نہ بتایا تم نے تم تو اس ملک سے آئے ہو جو سب منہ پر کہہ دیتے ہیں اور تم بھی یہی کرتے ہو پھر اب کیوں نہ یہ کیا اگر ان کی اصلیت اور حقیقت مجھے بتانے کی کوشش کرتے تو کیا میں یقین کر لیتی؟ نہیں اس لیے رامش آفندی تم میرے نزدیک قابل نفرت اور بے کردار شخص ہو۔ ایسے شخص کی بات کو کون سچ مانتا ہے۔
آج کی طرح تم پہلے بھی مجھے وہاں سے دیکھتے رہتے تھے، کیوں؟ کس لیے؟ کیا تم ان کے برے ارادوں کو بھانپ گئے تھے جو ان پر نظر رکھتے تھے۔ اگر ایسی ویسی کوئی بات ہو جاتی تو کیا تم مجھے بچانے آتے رامش آفندی؟ کیا ابھی تم میں اتنی سی شرافت اور انسانیت باقی ہے۔ یا پھر یونہی تماشائی بنے کھڑے رہتے۔ ہاں تم یہی کرتے کیونکہ اس طرح تمہیں میری تذلیل کرنے اور مجھ پر ہنسنے کا موقع مل جاتا۔"
سوچ سوچ کر اعصاب شل ہو گئے تھے، دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ جسم بے جان محسوس ہونے لگا تو لیٹ گئی اور دکھا ہوا دل اپنے رب سے دعا مانگنے لگا۔
"تو بہت رحیم ہے میرے مولا جس طرح تو نے اب مجھ گناہ گار پر اپنا کرم کیا ہے اسی طرح مجھے اپنی پناہ میں رکھنا، مجھے عزت کی موت دینا۔" اپنے رب کریم کو یاد کرتے کرتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

رامش نے پاپا اور شاہ زیب کے لیے ان کی فیورٹ شاعری کی بکس خریدی تھیں اور وقت گزاری کے لیے ان کو پڑھ رہا تھا۔ بلینکٹ اردگرد لپیٹے صوفے پر ہی دراز تھا کمرہ نیم گرم تھا۔
"صاحب جلدی آیئے پولیس آئی ہے وہ رادیہ بچہ کو پکڑنے کے واسطے آئی ہے۔" خان بابا ہراساں سے جلدی جلدی بول رہے تھے۔
"پولیس، کہاں آئی ہے۔" رامش جو پڑھنے میں منہمک تھا نہ سمجھتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔
"صاحب فیری کی ماما کو پکڑنے کے واسطے آئی ہے پولیس، ان کو غلط فہمی ہوا ہے کوئی، آپ چلو صاحب" خان بابا نے ہاتھ جوڑ دیے۔ رامش حیران سا باہر کو لپکا۔
"واٹ از گوئنگ آن۔" رامش نے پولیس انسپکٹر سے مصافحہ کے دوران پوچھا نگاہ رادیہ پر تھی جو فیری کو

ٹانگوں سے چپکائے لرز رہی تھی، رنگت خزاں رسیدہ پتے کی طرح ہو رہی تھی، ہونٹ خشک اور آنکھوں میں وحشت تھی۔

"آپ کے سامنے گھر میں جو لوگ رہتے تھے، ہم عرصہ دراز سے ان کی تلاش میں تھے۔ مگر یہ لوگ ہمیشہ چکمہ دے کر فرار ہو جاتے تھے مگر اب ___ ان کے ہاتھوں برباد ہونے والی ایک لڑکی گواہی دینے پر تیار ہو گئی ہے تمام ثبوت مل جانے پر ان کو ہم نے گرفتار کر لیا ہے ان خاتون کا بھی وہاں آنا جانا تھا، ہمیں محلے والوں نے بتایا ہے یہ بھی شک کے دائرے میں آتی ہیں اس لیے پوچھ گچھ کے لیے ان کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔ یو نو اٹ از آور ڈیوٹی۔" انسپکٹر نے فوراً" تفصیل بتائی تاکہ جلد از جلد کارروائی مکمل ہو جائے یا پھر وہ رامش آفندی کی پرسنالٹی اور لب ولہجہ سے مرعوب ہو گیا تھا۔

"آئی نو اٹ از یور ڈیوٹی بٹ انسپکٹر شی از اے ریسپیکٹ ایبل لیڈی ساری کالونی ان کو جانتی ہے آپ ان کے اسکول سے ان کی ریپوٹیشن معلوم کر سکتے ہیں صرف شک کی بنا پر آپ ایک خاتون کو پولیس اسٹیشن نہیں لے کر جا سکتے۔ اس طرح تو میں اور خان بابا بھی ان کے گھر ایک آدھ بار گئے ہیں تو کیا ہم بھی مجرم ہو گئے ہیں" رامش کا ٹھوس لہجہ انسپکٹر کو پزل کر گیا۔

"لیکن یہ ہماری ڈیوٹی ہے، ان کو ساتھ چلنا ہو گا۔" انسپکٹر دھیمے پڑتے ہوئے بولا۔

"تو شی ول ناٹ گو میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ ڈی سی اکرم سے میں خود بات کر لوں گا" رامش جان گیا تھا کہ انسپکٹر میں کوئی اتنا خاص دم خم نہیں اس لیے ڈی سی اکرم کا ذکر کر دیا جن سے اس کی کچھ دن ہوئے علیک سلیک ہوئی تھی۔ ویسے بھی اس رامش آفندی کی شخصیت اور انداز میں ایسا رعب و دبدبہ تھا کہ انسپکٹر ہکلا کر رہ گیا۔

"ارے آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ آپ ڈی سی صاحب کے دوست ہیں آپ کی خوشی میں ہماری خوشی ہے۔" انسپکٹر فوراً" ہی اپنی ڈیوٹی بھول گیا۔

مصافحہ کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلتا بنا رامش نے جاتے جاتے ایک نظر رادیہ پر ڈالی جو متوحش نظروں سے اب تک ساکت کھڑی وہیں دیکھ رہی تھی جہاں کچھ دیر قبل انسپکٹر کھڑا تھا۔

"ہم عزت دار لوگ ہیں، ہم نے کوئی جرم نہیں کیا ہم بیٹیوں والے ہیں۔" مسٹر حیات زور زور سے چیخ کر اپنی شرافت ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"پلیز انسپکٹر صاحب، یہ ظلم مت کریں میرے بچوں کا کیا ہو گا۔ میرے بچوں پہ رحم کریں۔" مسز حیات کی آواز بھی باہر سے سنائی دی۔

"تم نے کبھی کسی بچے اور لڑکی پر رحم کیا تھا جب ان کو اغوا کرتی تھیں، بیچتی تھیں اس لیے کہ وہ دوسروں کے بچے تھے، اب اپنی اولاد کے لیے تمہیں رحم چاہیے۔ اب تمہارے بچے تمہارے ساتھ جیل میں رہیں گے ٹھیک ہی کہتے ہیں والدین کے گناہوں کی سزا بچے بھگتتے ہیں، چلو بٹھاؤ انہیں گاڑی میں۔" انسپکٹر اپنی اسی کرختگی کے ساتھ بولا۔

*_*_*

"یا میرے خدا! اتنا فریب کیسے بے ضمیر لوگ ہو گئے ہیں شکر کرو رادیہ اللہ نے تمہیں بال بال بچا لیا۔" مسز حیدری تمام واقعہ سن کر رادیہ کو ایک بازو کے حلقے میں لے کر تسلی دیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"ہاں مسز حیدری ورنہ آج یہاں میری آپ کو لاش ملتی۔" رادیہ دو دن میں ہی برسوں کی بیمار لگ رہی تھی آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی۔

"بس کرو رادیہ، خدا کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے ختم ہو جائیں گی یہ آزمائشیں بھی۔" مسز حیدری مشفقانہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"نہیں مسز حیدری یہ سب طفل تسلیاں ہیں آزمائشیں کبھی ختم نہیں ہوتیں اور میرے لیے تو ہر قدم پر امتحان ہے، ہر راہ پر ایک نئی آزمائش ہے۔ آپ بتائیے مسز حیدری میں اگر عزت کے ساتھ جینا چاہتی ہوں تو کیا یہ میرا حق نہیں ہے؟ میں اپنا اور اپنی بچی کا پیٹ حق حلال کی کمائی سے پالنا چاہتی ہوں تو کیا یہ جرم ہے! میرے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے تو کیا میری کوئی

Digest Novels Lovers Group

عزت نہیں ہے؟ کیا مرد کی ذات ہی عزت و ناموس کی سرٹیفکیٹ ہوتی ہے؟ اگر میرے سر پر کوئی سائبان نہیں ہے تو کیا میرے گھر کی چار دیواری میں سب کے لیے دروازے اور کھڑکیاں بن گئی ہیں جہاں وہ اپنی ہوس زدہ آنکھیں گاڑے منتظر کھڑے ہیں کہ کب اس کمزور و ناتواں عورت کی ہمت ٹوٹتی ہے' تاکہ وہ اس پر ٹوٹ پڑیں۔

میں نے محبت کی یہی میری غلطی تھی اور اس کی ہی سزا بھگت رہی ہوں مگر جو گناہ میں نے اپنی ماں اور باپ کو ناراض کر کے کیا ہے اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے اور یہ سب جو میرے ساتھ ہو رہا ہے ان کی ہی بددعاؤں اور آہوں کا نتیجہ ہے وہ اولاد کبھی آباد نہیں ہوتی' کبھی سکھی نہیں رہتی جس کے نصیب میں والدین کی دعائیں نہ ہوں جو اپنے والدین کی توہین کا باعث بنتی ہے اس اولاد کو بھی کبھی عزت نہیں ملتی۔

کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے مسز حیدری کہ کنویں میں چھلانگ لگا دوں یا پھر فیری کو ساتھ لے کر کسی پٹڑی پر لیٹ جاؤں زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا اخبار میں دو لائن کی خبر آجائے گی کہ غربت و افلاس سے تنگ آکر ماں بیٹی نے خودکشی کر لی اگر کبھی میں ایسا کر بیٹھی نا مسز حیدری تو آپ اس دنیا کو بتائیے گا کہ بھوک نے نہیں بلکہ مرد کے خوف نے انہیں مرنے پر مجبور کیا ہے۔"

رادیہ قنوطی ہو رہی تھی۔ اندر ایسی گھٹن تھی کہ اس کو باہر نکالنے کے لیے وہ لفظوں کا سہارا لے رہی تھی' وحشت زدہ سی اپنی مایوسی اور خوف پر قابو نہیں پا رہی تھی۔

"رادیہ یہ ایسی ہولا دینے والی باتیں مت کرو خدا اپنا فضل کرے گا دنیا میں ابھی بہت اچھے لوگ ہیں اب رامش آفندی کو ہی دیکھ لو کیسا بھی ہے' تمہارے ساتھ تو بھلائی ہی کی ہے اس وقت' چلو اب منہ ہاتھ دھو اور میرے ساتھ چلو ذرا فریش ہو جاؤ گی دو دن اسکول نہیں آئیں تو میں نے سوچا کہیں فیری بیمار نہ ہو مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ اماں صاحبہ ہی مریضہ بن کر لیٹی ہوں گی۔" مسز حیدری نے رادیہ کا دھیان بٹانے کے لیے شگفتہ سے انداز میں کہا اور پھر گویا ہوئیں۔

"کیا خیال ہے چلتے چلتے رامش صاحب کا شکریہ ادا نہ کرتے چلیں۔ خوش ہو جائے گا کہ تم امپریس ہو گئی ہو۔" مسز حیدری کا انداز شرارتی تھا۔

"سنجیدہ یا غیر سنجیدہ سچویشن ہو آپ مزاح کا کوئی رخ نکال ہی لیتی ہیں کوئی ضرورت نہیں ہے' میں بھی اس افسردگی سے باہر نکلنا چاہتی ہوں فیری الگ چپ چپ سی ہو گئی ہوئی ہے۔ چلیے فیری کو بھی ساتھ لیتے ہیں۔" رادیہ چادر لینے چل دی رادیہ مسز حیدری کی عادت کو جانتی تھی کہ وہ جب تک نارمل نہیں ہو گی وہ اسے تنہا چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔

رادیہ جو اسکول سے آئی تھی وسطی لان میں پڑے بھالو اور گڑیا دیکھ کر چونک گئی' فیری فوراً" ان کی طرف بھاگ گئی۔

"بابا یہ یہاں کیوں رکھے ہیں۔" رادیہ نے خان بابا سے پوچھا۔

"صاب نے خود رکھا ہے' بولا کہ ام یہ فیری کے واسطے لایا تھا تالا کے اندر اس کو رکھنے کا کیا فائدہ۔" خان نے بتایا۔

"تالے کے اندر کیا مطلب؟" رادیہ نے چونک کر پوچھا۔

"صاب صبح چلا گیا واپس ام کو بتانا یاد نہیں رہا۔" خان بابا کے جواب نے رادیہ کے اندر گویا ایک نئی روح پھونک دی۔ سارا جسم ہلکا پھلکا ہو گیا' مسرت کے احساس سے چہرہ تمتما اٹھا۔

"شکر ہے۔" رادیہ نے دل ہی دل میں کہتے ہوئے گہرے سکون کا سانس بھرا۔

*_*_*

"یہ تین ماہ تو ایک لڑکی کی خاطر پاکستان رکا رہا' امیزنگ۔" شاہ زیب متحیر سا رامش کو دیکھ رہا تھا پھر اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"کیا بہت خوب صورت تھی۔"

"اس کو دیکھنے کے بعد ہی یقین آیا کہ گاڈ از اے گریٹ آرٹسٹ' قدرت کا ایک مکمل اور نایاب شاہکار اور اس پر اس کی سانولی رنگت اس کو مزید پرکشش بناتی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اس کا غرور اس کو سب

سے ممتاز کرتا ہے۔" رامش صاف گوئی سے بولا۔

"اور ہمیشہ کی طرح تو نے اس کا بھی غرور خرید لیا ہو گا۔" شاہ زیب جو رامش کی عادت سے واقف تھا، دکھ سے بولا۔

"کوشش تو بہت کی مگر کامیاب نہیں ہوا۔" اور پھر رامش نے اسے تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔

"اور اب اس کے غرور کو توڑنا ہے مجھے۔" رامش نے آخر میں کہہ کر گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

"شیم آن یو رامش تو ایک کمزور اور بے آسرا سی لڑکی کو تنگ کرتا رہا اسے ورغلاتے ہوئے تجھے شرم نہیں آئی تو اتنا گر جائے گا اپنی ضد میں مجھے نہیں معلوم تھا، تف ہے تیری مردانگی پر۔" شاہ زیب رامش کو ملامت کر رہا تھا۔

"وہ لڑکی میرے لیے اب چیلنج بن چکی ہے شاہ زیب بے شک وہ بہت حسین و جمیل ہے مگر تم جانتے ہو مجھے اس وقت تک سکون نہیں ملے گا، جب تک وہ ٹوٹ نہیں جاتی اس کی ذات کا مان اور غرور خاک میں ملا دوں گا ایک شعر یاد آ رہا ہے۔

غرور اس پہ بہت سجتا ہے مگر کہہ دو
اسی میں اس کا بھلا ہے غرور کم کر دے

شاعر نے یقیناً" اس لڑکی کے لیے ہی لکھا ہے۔" رامش کا ارادہ اب بھی مضبوط تھا سپ لیتے ہوئے وہ برابر مسکرا رہا تھا۔

"شرم کر رامش مرد ہمیشہ اپنے برابر کے فرد سے ٹکر لیتا ہے اور تو جسے لڑکی کہہ رہا ہے وہ ماں بھی ہے مت بھول۔" شاہ زیب اب غصے میں آ گیا تھا۔

"آہ فیری واٹ اے چائلڈ، بالکل اینجل لگتی ہے اور سچ پوچھ تو اب تک صرف اور صرف اسی کی وجہ سے میں اس لڑکی کو نہایت سیدھے اور آرام سے اپنے راستے پر لانے کی کوشش کرتا رہا ورنہ میرے لیے کوئی مشکل نہیں تھی۔" رامش اس وقت بالکل سچ کہہ رہا تھا۔

"رامش اب تو واپس آ گیا ہے، نکال دے اسے اپنے ذہن سے یہاں بہت ہیں تیرے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے۔" شاہ زیب بولا۔

"ہا ہا نیور ان فیکٹ اس پر ذرا امپریشن جم جائے اسی لیے واپس آ گیا ہوں پاپا بھی یاد آ رہے تھے اور پھر تو بھی تو بار بار فون کر رہا تھا، جانا تو ہر حال میں ہے۔" رامش پر شاہ زیب کی کسی بات کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔

"کون کہاں جا رہا ہے؟" اکبر آفندی اندر آتے ہوئے پوچھنے لگے اور رامش نے گلاس فوراً" ایک طرف رکھ دیا وہ پاپا کا اتنا ادب ضرور کرتا تھا کہ ان کے سامنے سگریٹ اور الا بلا نہیں پیتا تھا حالانکہ اکبر آفندی سب جانتے تھے۔

"ابھی تو نہیں پاپا، میں نے پاکستان میں پلاٹ دیکھا ہے، زبردست لوکیشن ہے جانا پڑے گا فائنل کرنے کے لیے۔" رامش نے جھٹ جھوٹ گھڑا۔

"اب پہلی دفعہ اپنے ملک گیا ہے تو دیکھ شاہ زیب یہ دوبارہ جانے کے لیے پھر تیار ہے اس کی مٹی میں کشش ہی بہت ہے۔" پاپا اپنے ملک کی محبت میں کھوئے ہوئے بولے۔

"ہاں پاپا اس کی مٹی میں واقعی کشش بہت ہے۔" رامش نے ہنستے ہوئے شاہ زیب کو آنکھ ماری اور شاہ زیب اس کی ذو معنی بات سن کر اس کو صرف گھور کر رہ گیا اور زیر لب اسے "خبیث" کہا۔

"رامش تو نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے، جو کچھ مجھے کرنا چاہیے تھا وہ تو نے کیا بیٹا ایک باپ ہو کر تو نے مجھے بیٹے کی طرح پالا ہے۔ بس ایک اور خواہش میری پوری کر دے۔" اکبر آفندی صوفے پر بیٹھے کچھ کچھ شرمندہ سے بول رہے تھے، چہرے پہ تاسف تھا۔

"پاپا پلیز اب اور کچھ مت کہیے گا سب آپ کا ہے۔ اس ایک دکھ نے آپ کو ہارٹ پیشنٹ بنا دیا لوگ تو ادھر طلاق لیتے ہیں ادھر دوسری شادی کر لیتے ہیں۔ آپ نے کس کی خاطر خود کو برباد کیا پاپا۔" رامش کبھی بھی "ماما" کا لفظ استعمال نہیں کرتا تھا۔

"اب تو برباد کر لیا بیٹا۔ جو سچی محبت کرتا ہے وہی اس کے دکھ بھی سہتا ہے۔ خیر میری چھوڑو رامش میں تجھے آباد دیکھنا چاہتا ہوں اس گھر میں بچوں کی قلقاریاں سننا چاہتا ہوں تو۔۔۔۔" اکبر آفندی نے پھر ایک بار بیٹے کو منانا چاہا۔

Digest Novels Lovers Group

"پاپا پلیز، شاہ زیب سنا نہیں تو نے پاپا کیا کہہ رہے ہیں فوراً" جا ماریہ اور بچوں کو لے کر آئیں اتنی دیر میں باتھ لے لیتا ہوں۔" رامش نے ہمیشہ کی طرح بات بڑھنے سے پہلے ہی ختم کر دی۔ اکبر آفندی دلگرفتہ سے ہو گئے وہ جانتے تھے کہ ان کا بیٹا لاشعوری طور پر شادی جیسے بندھن سے خائف ہے۔ جو روپ اس نے ایک بیوی اور ماں کا دیکھا تھا وہ اس رشتے سے بھی بدکتا تھا۔ اپنے گھر کو اس نے ٹوٹتے ہوئے دیکھا تھا اس لیے اب اپنی اس ایمپائر کو دوبارہ ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

......*

بہار اپنے عروج پر تھی، ہر طرف رنگین پھول کھلے اپنی بہار دکھا رہے تھے زمین پر سرسبز و شاداب مخملیں چادر بچھ گئی۔ فیری کی سالگرہ ان ہی دنوں میں آتی تھی۔ سہانی صبح تھی اور وہ تازہ گیلی گھاس پر ٹہل رہی تھی۔

اور رادیہ مسرور سی فیری کو پھولوں کو توڑتے دیکھ رہی تھی۔ جھولی میں بھرے تمام پھول اس نے رادیہ پر اچھال دیے۔

"شریر بچی۔" رادیہ کھنکتی آواز میں بولتی اس کی طرف بڑھی تو فیری نے دوڑ لگا دی اب فیری قہقہے لگاتی آگے تھی اور رادیہ اس کے پیچھے، مترنم ہنسی پتوں سے ٹکرا رہی تھی ہلکے گلابی رنگ کے سادہ سے کاٹن کے سوٹ میں رادیہ کھلی کھلی سی لگ رہی تھی۔ لچھے دار بالوں کو صرف لپیٹا ہوا تھا اور اب وہ کھل کر پشت پر پھیل گئے تھے۔ فیری کو اس نے پکڑ لیا تھا اور اب لان میں بیٹھی فیری کو دیوانہ وار پیار کر رہی تھی، چہرے کی پیلاہٹ کا نام و نشان نہ تھا۔ چہرہ نکھرا ہوا تھا یہ سب رامش آفندی نے محسوس کیا جو اسے دوربین کے ذریعے بالکل اپنے قریب دیکھ رہا تھا وہ اپنی انا کی تسکین کے لیے رات ہی پہنچا تھا یا پھر اسے فیری کی سالگرہ یاد تھی۔

"دیکھو سورج نکلنا شروع ہو گیا ہے جلدی سے کیک کاٹو۔" ایک پونڈ کے کیک کے پاس رادیہ بیٹھتے ہوئے فیری سے بولی۔

"کیوں ابھی کیوں۔" فیری چھری پکڑتے ہوئے وجہ پوچھ رہی تھی۔

"اس لیے میری جان جب تم نے میرے آنگن میں اجالا کیا تھا تب سورج روشنی پھیلانے کے لیے طلوع ہو رہا تھا۔ رادیہ فیری کی پیشانی چومتے ہوئے بولی۔

"ہیپی برتھ ڈے فیری۔" رامش ریڈ کلر کی شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس شوخ نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ میں گفٹ تھا۔ رادیہ اسے دیکھ کر ورطہ حیرت میں ڈوب گئی تھی۔ ساری خوشی کافور ہو گئی تھی۔ دل سکڑ گیا تھا اور ایک خوف نے اس کی آنکھوں میں گھر کر لیا تھا۔

"انکل آپ کو یاد تھی میری سالگرہ، ماما دیکھیں انکل اتنی جلدی واپس آ گئے اور میرے پاپا پھر بھی نہیں آئے۔" فیری رامش کے گلے لگی رادیہ سے گلہ کر رہی تھی مگر رادیہ گم صم سی بیٹھی رہی رامش اس کی یک لخت بدلتی کیفیت کو بھانپ گیا تھا اس لیے بولا۔

"ڈونٹ وری، آج کے دن تمہیں پریشان نہیں کروں گا یہ دن تو صرف فیری کا ہے ہے نا فیری اب فٹافٹ کیک کاٹ ڈالو۔" رامش سرگوشیانہ انداز میں بولتا فیری کی طرف جھک گیا۔

"چلو اب تمہیں تمہارا گفٹ دکھاتا ہوں جو میں لے کر آیا ہوں۔" رامش فیری کو بانہوں میں بھرے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے رادیہ سے پوچھنا بھی گوارا نہ کیا۔ فیری کو یوں لے کر گیا تھا جیسے اس پر حق رکھتا ہو، فیری ضد میں آ جاتی اگر رادیہ اس کو روکتی سو خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"یا خدا تو نے میرے زندگی میں خوشیوں کا دور اتنا مختصر کیوں لکھا ہے ایک سہانے خواب کی طرح، یہ سارے خوش کن خواب ہم لڑکیاں ہی کیوں دیکھتی ہیں۔ تتلیوں، جگنوؤں، تاروں اور پھولوں کے خواب۔" اور بے ارادہ ہی اسے اونچے اونچے اور بڑے خواب دیکھنے والی لیلیٰ کی صورت یاد آ گئی۔ جب وہ فیری کو کیئرنگ سینٹر سے واپس لے کر آ رہی تھی۔

"لیلیٰ تم یہاں، مری سے کب واپس آئیں اسکول کیوں نہیں آ رہیں۔" رادیہ اچانک ہی لیلیٰ کو دیکھ کر دفور جذبات میں بولتی چلی گئی۔

"بس ایسے ہی تم کیسی ہو؟" لیلیٰ کی آواز میں شوخی تھی نہ کھنک، چہرہ بھی مرجھایا ہوا تھا۔

"لگتا ہے تمہیں مری کی تازہ ہوا راس نہیں آئی، رنگ بھی کتنا پیلا ہو گیا ہے۔ آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہیں۔" رادیہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں رادیہ مجھے واقعی مری کی ہوا راس نہیں آئی سب کچھ چھین لیا انہوں نے میرا سب کچھ۔" لیلیٰ کا لہجہ گلوگیر ہو گیا آنکھوں میں تیرگی اترنے لگی تو پھر وہ رکی نہیں۔ دوسری طرف کھڑے ایک رکشہ میں بیٹھ گئی اور رادیہ تو جیسے سناٹے میں آ گئی تھی۔

"یہ ہم لڑکیاں ٹھوکر کھانے سے پہلے کیوں نہیں سنبھل جاتیں ہم لڑکیاں اپنی خواہشوں کی تکمیل اور خوابوں کو سچا دیکھنے کے لیے اندھی ہو جاتی ہیں اور پھر یہی خواب عذاب بن جاتے ہیں۔"

✈ ✈ ✈ ✈

سورج اپنا سفر تمام کر کے کہیں اور جلوہ افروز ہونے کے لیے غروب ہو رہا تھا جب رامش کاپیاں چیک کرتی رادیہ کے قریب آ کر بولا۔

"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے ابھی اور اسی وقت مگر یہاں نہیں۔" وہ صرف بتا رہا تھا اپنے آنے کا مقصد۔

"سوری میں مصروف ہوں۔" رادیہ کا لرزتا ہاتھ رامش نے دیکھ لیا تھا۔

"ڈونٹ وری اگر میرا کوئی ایسا ویسا ارادہ ہوتا تو یہیں کھڑا وقت ضائع نہ کر رہا ہوتا، تمہارے بھی بھلے کے لیے ہے۔ کم آن۔" رامش اس پر اچٹتی نگاہ ڈال کر کوٹھی کی طرف چل پڑا رادیہ یہ سوچ کر چل پڑی کہ ہو سکتا ہے اپنے رویے پر شرمندہ ہو اور اب معافی مانگنا چاہتا ہو۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" رامش نے بنا کوئی تمہید باندھے اپنی ضروری بات کہہ ڈالی اور رادیہ تو شاکڈ سی حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی وہ تو شکر تھا کہ رامش کے اصرار پر وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی تھی ورنہ شاید لڑکھڑا جاتی کتنی ہی دیر ساکن نظروں سے رامش کو گھورنے کے بعد اپنے حواسوں میں آئی تو نارمل لہجے میں بولی۔

"رامش آفندی تم واقعی ایک شاطر، چالاک اور کامیاب بزنس مین ہو جو زیادہ سے زیادہ پرافٹ حاصل کرنے کے لیے اپنی لیبر کو بونس کا لالچ دیتا ہے لیکن ساتھ ہی ورکنگ آورز بھی بڑھا دیتا ہے۔ تم نے مجھ پر بے شک دو احسان کیے ہیں مگر میری رائے تمہارے متعلق ہنوز وہی ہے جو پہلے تھی اور میرا ارادہ اب بھی نہیں بدلا اور میرا جواب بھی وہی ہے بے شک اس وقت تم مجھے زہر ملا لڈو پیش کر رہے ہو۔" زادیہ اس کی نئی چال کو جان گئی، رامش ہر حال میں کسی بھی طریقے سے اس کا نخرمان اور اس کے سر کو جھکانا چاہتا تھا۔

"سو واٹ، فائدہ تو اس میں دونوں کا ہوتا ہے۔ جیسے شادی کے بعد مجھے بیوی اور تم کو گھر سائبان اور آرام و عیش مل جائے گا پھر کیا ارادہ ہے۔"

رامش نے جان بوجھ کر عورت کی کمزوری گھر اور چھت کا ذکر کیا کیونکہ یہی دو چیزیں عورت ڈھونڈتی پھرتی ہے رامش کی نگاہ رادیہ پر جمی ہوئی تھی۔

"واقعی اس میں میرا ہی فائدہ ہے۔ یہ چیزیں مجھے کتنے عرصے تک میسر رہیں گی۔" رادیہ نے تیز نگاہوں سے اس کو دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟" رامش نے جو سگریٹ سلگا رہا تھا چونک کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ یہ شادی کتنے دن یا مہینوں کے لیے ہو گی؟" رادیہ کا سوال خاصا حقیقت پر مبنی تھا اور رامش حیرت زدہ سا اس نازک سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو کتنی جلدی اس کی چالاکی سمجھ گئی تھی یا پھر اس طرح کے سوال کی رامش کو توقع نہ تھی اس نے سوچا تھا وہ بخوشی اس کی آفر کو قبول کر لے گی۔

"حیران کیوں ہو رہے ہو رامش آفندی۔ زندگی کے تجربات نے مجھے بہت حقیقت پسند بنا دیا ہے بے شک میں ایک مشرقی لڑکی ہوں اس طرح کی بات مجھے زیب نہیں دیتی مگر میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں

بہت مضبوط ارادوں کی مالک ہوں اور عورت چٹان بن جاتی ہے جب وہ ایک فیصلہ کر لیتی ہے، ایسا ہی فیصلہ میں نے ایک بار پہلے کیا تھا جب میں نے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف کورٹ میرج کی تھی، کوئی میرا فیصلہ نہیں بدل پایا تھا اور اب بھی کوئی نہیں بدل سکتا۔ ہزار ٹیڑھی میڑھی چالیں چل لو میں تمہارے جال میں نہیں پھنسنے والی، ہر بار شکست تمہاری ہو گی۔" رادیہ اب اپنا ضبط چھوڑ بیٹھی تھی اس لیے عالم طیش میں کھڑی ہو کر رامش کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہے آئی ہیو ٹولریٹ یو اینف، فیری کی وجہ سے بہت لحاظ کیا ہے تمہارا چٹان کو چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے میں توڑنے کا ہنر جانتا ہوں، میں یہ مت سمجھو کہ تمہاری ان باتوں سے انسپائر ہو جاتا ہوں یا تمہارے ان تیوروں سے ڈر جاتا ہوں، ان فیکٹ تم سے بات کر کے بہت مزا آتا ہے تمہارے چہرے پر غصہ بہت سجتا ہے ورنہ تم ہو کیا ایک چیونٹی اور پھر تم کس بات پر اتنا اکڑتی ہو، ہاں، غلط کام تو تم پہلے ہی کر چکی ہو گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی پر اتنا غرور کچھ سجتا نہیں۔"

رامش کے ایک ہی وار نے اسے پاتال میں گرا دیا تھا رامش کے چہرے پر طنزیہ مسکان تھی۔

"اپنی غلط فہمی دور کر لو مسٹر رامش آفندی میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔ محبت کی تھی میں نے اور پھر شادی کی تھی سمجھے، تمہاری طرح برے کردار کی نہیں ہوں میں آئندہ زبان سنبھال کر بات کرنا اور یاد رکھنا جس سے تم مخاطب ہو وہ ماں ہے ایک بیٹی کی۔" رادیہ اپنی توہین اور اہانت پر تلملا کر رہ گئی تھی اس لیے رامش کو متنبہ کرتے ہوئے بولی۔

"ہاہا، اچھی طرح یاد ہے، فیری کافی دیر سے نظر نہیں آ رہی، آواز بھی نہیں آ رہی تمہیں معلوم ہے کہاں ہے۔" رامش قریب کھڑا عیاری و مکاری سے بولا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" رادیہ ایک لمحے کے لیے گڑبڑا گئی۔

"مطلب یہ کہ۔"

ہم بھی دریا ہیں ہمیں اپنا ہنر معلوم ہے
جس طرف بھی چل پڑیں گے راستہ ہو جائے گا

رامش شعر پڑھتے ہوئے خباثت سے مسکرایا۔

"نہیں رامش آفندی مانا کہ شرم و حیا مشرقی لڑکی کا گہنا ہے مگر اکیسویں صدی میں جینے والی یہ ماں اپنی عفت و عزت تحفظ کی خاطر اس گہنے کو ہتھیار بنانا جانتی ہے۔ اولاد کو اگر زندگی دیتی ہے تو وہ اسے مار بھی سکتی ہے اور پھر میں خود تمہارے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہوں۔"

میں اپنی راہ میں دیوار بن کر بیٹھا ہوں
اگر وہ آیا تو کس راستے سے آئے گا

"اچھا! تم تک پہنچنا میرے لیے بھی مشکل نہیں تھا جیسے اب نہیں ہے۔" رامش نے ایکا ایکی رادیہ کی طرف ہاتھ بڑھایا مکروہ چہرے اور ارادے کے ساتھ۔

"چٹاخ۔" رادیہ کی مخروطی انگلیاں رامش کے گال پر نشان بنا گئیں۔

"تم نے مجھے مارا۔" رامش پر جنون سوار ہو گیا، سارا خون چہرے پر جمع ہو گیا اور اس نے درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رادیہ کو اپنی بانہوں میں جکڑ لیا۔

"انکل، انکل دیکھیں میرے گھٹنے سے خون نکل آیا ہے، اوں؟" فیری اسی سمے بیرونی دروازے سے روتی اندر آ گئی۔

"ابھی تمہاری بیٹی کی وجہ سے چھوڑ رہا ہوں۔" رامش نے جس جنونی انداز میں اسے اپنی گرفت میں لیا تھا اس کے برعکس سکون سے رادیہ کو آزاد کر دیا، جیسے بپھرا ہوا طوفان اچانک پرسکون ہو جائے۔ سمندر کی طغیانی شانت ہو جائے، شیر قابو میں آئے شکار کو چھوڑ دے اور جیسے اچانک خدا کو رادیہ کی کوئی نیکی یاد آ گئی ہو اور اس نے اس انہونی کو ہونے سے روک دیا ہو۔

"اوہ ہنی، تم ادھر جھاڑیوں میں کیوں گئی تھیں چلو آؤ۔" رامش ایک حساس اور مشفق باپ کی طرح فیری سے مخاطب تھا، دھیما اور شہد آگیں لہجہ، ایک منٹ پہلے والا رامش نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ فیری کو بانہوں میں اٹھائے وہ رادیہ کے پاس سے یوں گزر گیا تھا جیسے وہ وہاں تھی ہی نہیں اور رادیہ ایک پتھر

کے بت کی طرح وہاں جامد و ساکن کھڑی تھی۔ ٹانگیں نیم مردہ سی لگ رہی تھیں۔ وہ رامش کی پشت پر نظریں جمائے ایک ایک قدم پیچھے اٹھاتی گئی۔

"کیا ہے یہ شخص' پل میں شیطان' پل میں فرشتہ ابھی شعلہ ابھی شبنم ایک کو لہولہان کرنے والا تو دوسرے کے زخم پر مرہم رکھنے والا۔" رادیہ رامش کو جو فیری کی چوٹ پر پھونکیں مار رہا تھا دیکھتے اور سوچتے باہر نکل گئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

رادیہ افراتفری کے عالم میں فیری کی ضروری چیزیں ایک بیگ میں ڈال رہی تھی سبزی کاٹنے والی چھری کو اپنے ہاتھ میں دبالیا تھا۔

"خان بابا خان بابا۔" رادیہ نے وہیں سے بابا کو پکارا۔

"بولو بچہ کیا ہوا۔" خان بابا بھاگے بھاگے آئے۔

"بابا مجھے تانگہ یا رکشہ لادیجئے آپ کو دور پیدل تو جانا پڑے گا مگر میرا جانا بہت ضروری ہے۔" رادیہ کچھ بھی ظاہر نہ کرتے ہوئے سکون سے بولی۔

"اس وقت بچہ' اندھیرا ہو گیا ہے۔" خان بابا حیرت سے پوچھنے لگے۔

"ہاں بابا مسز حیدری کے پاس جانا ہے۔ آپ رکشہ لے آئیں۔" بابا کے جانے کے بعد رادیہ وہیں کھڑی سوچنے لگی۔

"اس سے پہلے کہ یہ اندھیرا مجھے نگل لے مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

آدھے گھنٹے بعد بابا رکشہ لے کر آئے تھے فیری ابھی تک نہیں آئی تھی اس لیے اس نے بابا کو بلانے کے لیے بھیجا مگر بابا نے بتایا کہ وہ صاحب کے پاس نہیں ہے۔ جھنجلاتے ہوئے وہ خود انس کو آوازیں دینے لگی۔

رامش جو تیسرا پیگ پینے کی تیاری کر رہا تھا رادیہ کی دلخراش چیخ سن کر اپنی سیٹ سے اچھل کر رہ گیا' چیخیں تھیں کہ بلند ہوتی جارہی تھیں۔ رامش بڑے بڑے قدم اٹھاتا باہر نکلا' منظر ہلا دینے والا تھا۔ رادیہ بے ہوش اور خون میں لت پت فیری کو گود میں لیے ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

"واٹ ہیپنڈ' کیا ہوا ہے' فیری فیری۔" رامش نے پہلے فیری کو پکارا پھر اسے اٹھا کر دوڑ پڑا رادیہ پیچھے تھی۔

"خون بہت بہہ گیا ہے' ٹانگ میں فریکچر ہو گیا ہے اس لیے اب تک بے ہوش ہے۔" ڈاکٹر نے معائنے کے بعد بتایا۔

"اور کوئی خطرناک بات تو نہیں ہے؟" رامش متفکر سا پوچھ رہا تھا۔

"دراصل بچی کمر کے بل گری ہے۔ دماغ کے پیچھے جو زخم آیا ہے وہ اتنا خطرناک نہیں مگر یہ دیکھنا ہے کہ بیک بون تو ہرٹ نہیں ہوئی مگر یہ تب ہی پتہ چلے گا جب وہ ہوش میں آجائے گی۔" ڈاکٹر نے بتایا۔

"تو ہوش کب تک آئے گا۔" رامش اب پریشان نظر آنے لگا تھا۔

"جتنی جلدی ہوش آئے گا ہمارے لیے اور بچی کے لیے بہتر ہے۔ ہم فوراً علاج شروع کر دیں گے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر آپ نے پیسوں کی فکر نہیں کرنی بہتر ٹریٹ منٹ ہونی چاہیے۔" رامش نے فوراً بہتر طریقہ علاج کے لیے کہا۔

"ہم اپنی پوری کوشش کریں گے۔" ڈاکٹر کہہ کر آگے بڑھ گیا تو رامش رادیہ کی طرف آیا جو مسلسل کوریڈور میں پریشانی کے عالم میں ٹہل رہی تھی۔ آنکھیں سوج گئی تھیں۔

"کیا کہا ہے ڈاکٹر نے۔" رادیہ بے تاب سی پوچھنے لگی۔

"ڈونٹ وری سب ٹھیک ہے ریلیکس' بیٹھ جاؤ ورنہ تھک جاؤ گی۔" رامش اس کی زرد ہوتی رنگت کو دیکھ کر بولا۔

"فیری ہوش میں نہیں آئی ابھی۔" رادیہ غم سے نڈھال مایوسی سے پوچھنے لگی۔

"کم آن لیڈی وائے ڈونٹ یوسٹ ڈاؤن' اس طرح کیا فیری ہوش میں آجائے گی۔" رامش یک لخت ہی طیش میں آگیا۔ رادیہ بغیر آواز نکالے بینچ پر

بیٹھ کر رونے لگی۔

فیری کو پورے چار گھنٹے بعد ہوش آیا تھا اور ڈاکٹر نے اچھی خبر سنائی تھی کہ بیک بون کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس کے باوجود فیری کو ایک دو ہفتے ہسپتال میں رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ رامش کے پورے جسم میں سکون اتر گیا تھا۔ رادیہ کی آنکھوں سے شکر کے آنسو رواں ہو گئے تھے۔ رامش تو سارا دن رہتا ہی ہسپتال میں تھا۔ رادیہ نے کچھ چھٹیاں کی تھیں اسکول سے پھر جانا ضروری تھا۔

رامش روز ہی فیری کے لیے نہ جانے کیا کیا اٹھالاتا تھا۔ رادیہ کو کبھی کچھ لانا بھی نہ پڑا مگر رادیہ کے لیے سب سے بڑی پریشانی اتنے مہنگے پرائیوٹ ہسپتال کا بل تھا جو نہ جانے کتنے ہندسوں پر مشتمل ہونا تھا۔

"آپ کے ہزبنڈ بچی سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

نرس نے یہ الفاظ رادیہ سے کہے تھے جب وہ لوگ کمرہ چھوڑ رہے تھے۔ رامش نے تمام پے منٹ کردی تھی اور رادیہ کو بتانا یا اجازت لینا بھی گوارا نہ کیا تھا۔ رامش فیری کو اپنی کوٹھی میں لے گیا تو رادیہ کا ضبط جواب دے گیا۔

"فیری اپنے گھر میں آرام سے رہ سکتی ہے۔" رادیہ نے دبا دبا احتجاج کیا۔

"دیکھو فیری ادھر رہے گی تم کو رہنا ہے تو رہو نہیں رہنا تو نہ رہو۔" رامش کا وہی حق جتانے والا انداز... بس اپنا فیصلہ سنادیا۔

"تو پھر حنیف بابا بھی ہال میں سویا کریں گے۔" رادیہ نے بھی شرط سنا ڈالی۔

"ڈرتی ہو۔" رامش اپنی جون میں آتے ہوئے مسخرانہ انداز میں بولا مگر رادیہ نے خاموشی کو ترجیح دی تو رامش بھی ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔

"تمہیں معلوم ہے میں ایسے کسی کام میں پیسہ نہیں لگاتا جس میں فائدہ نہ ہو۔" رادیہ جو فیری کے کمرے سے آرہی تھی رامش کی بات پر ٹھٹک گئی۔

"فار گاڈ سیک شاہ زیب نو مور لیکچر ہاں ہاں آجاؤں گا بائے۔" رامش نے موبائل آف کردیا۔

رامش کے الفاظ رادیہ کے ذہن میں گردش کرنے لگے رامش کی شرافت اسے دکھاوا لگنے لگی۔

"ہسپتال کا بل کتنا بنا تھا۔ مجھے ابھی تک نہیں پتہ چلا۔" رادیہ صوفے پر نیم دراز رامش سے فاصلے پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"تو آپ جان کر کیا کرنا ہے؟" رامش ٹی وی کے چینل بدلتے ہوئے بے نیازی سے بولا۔

"یہ تیسرا احسان کیا ہے تم نے مجھ پر مگر قرض چکانا ضروری ہوتا ہے۔" رادیہ مضبوط لہجے میں بولی، مگر رامش ٹی وی کا والیم اونچا کرکے یوں پوز کرنے لگا جیسے سنا ہی نہ ہو۔ رادیہ جھلاتی واپس چلی گئی۔ رات میں رادیہ کو کھٹکا سا محسوس ہوا۔ لیٹے لیٹے غور کیا تو کوئی دروازے کے ہینڈل کو گھما رہا تھا۔ ویسے تو وہ احتیاطاً چھری تکیے کے نیچے رکھ کر سوتی تھی۔ مگر اس وقت وہ کانپ کر رہ گئی تھی آیات کا ورد شروع ہو گیا تھا اور جب سورج نمودار ہوا تھا یہ ورد ہنوز جاری تھا۔

"ام تو گیا تم بچہ وہ صاب واپس چلا گیا آج صبح۔" صبح خان بابا کے ایک جملے نے رات کا سارا خوف ختم کر دیا۔ کچھ پتہ نہیں وہ شخص کل ہی واپس آجائے۔ مجھے یہ موقع گنوانا نہیں چاہیے اور یہاں سے جانے کا فیصلہ کرکے وہ مطمئن ہو گئی۔

......*

"مجھے تو تیری یہ فرسٹریشن سمجھ نہیں آرہی تو نکال کیوں نہیں دیتا اس لڑکی کو اپنے ذہن سے۔" شاہ زیب ڈسٹرب سے رامش کو دیکھ کر زچ ہو کر بولا۔

"سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے شاہ زیب نہ تم مجھے کال کرتے اور نہ میں یہاں آتا اور نہ وہ وہاں سے جاتی۔" رامش کو فون پر ہی خان بابا نے رادیہ کے جانے کے متعلق بتادیا تھا۔ حالانکہ اس نے فون اچانک اپنے آنے کی وجہ بتانے اور فیری کی خیریت دریافت کرنے کے لیے کیا تھا۔

"انکل کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی تھی رامش تجھے نہ بتاتا تب بھی تو نے مجھے ہی گالیاں دینی تھیں۔" شاہ زیب غصے میں بولتا چلا گیا۔

نئے موسم آتے ہی جانے کے لیے ہیں۔ گردش دوراں کبھی تھمتی نہیں۔ دن کے پیچھے رات کا چکر چلتا ہی رہتا ہے اور ان کے دوران ہی ایک طویل عرصہ گزر جاتا ہے مگر کبھی کبھی دل کا موسم ایک ہی رہتا ہے۔

Digest Novels lovers group

جیسے رامش کے لیے اتنے ماہ گزرنے کے باوجود دل ایک ہی موسم کا شکار ہو گیا تھا۔

"فار گاڈ سیک رامش کتنا گھورے گا تو اس تصویر کو یہ بے جان تصویر بول نہیں پڑے گی۔" شاہ زیب رامش کے بیڈ روم میں داخل ہوا تو وہ دیوار پر آویزاں تصویر کو مسلسل تک رہا تھا۔ رامش نے اپنے آٹومیٹک کیمرے سے فیری کی چند تصویریں بنائی تھیں مگر ایک تصویر میں اچانک ہی رادیہ خود میں مگن کھڑی آ گئی تھی۔ اور یہ وہ تصویر تھی جس میں رامش نے فیری کو اٹھایا ہوا تھا اور پیچھے رادیہ کھڑی تھی۔

"ہوں میں جانتا ہوں؟" رامش جو کھویا ہوا تھا یاسیت سے بولتا اپنا گلاس بھرنے لگا۔

"رامش کیوں خود کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔ کام میں انٹرسٹ نہیں رہا تیرا' آفس بھی یوں جاتا ہے جیسے احسان کر رہا ہے۔ تیری وجہ سے انکل بھی پریشان رہنے لگے ہیں۔ میں اس تصویر کو اتار ہی دیتا ہوں۔ شاید تیرا دماغ ٹھیک ہو جائے۔" شاہ زیب آگے بڑھا۔

"ڈونٹ ٹچ اٹ' یہ تصویر مجھے میری شکست یاد دلاتی ہے۔" رامش ایک دم ہی دھاڑا۔

"شکست! رامش تو اسے شکست سمجھ رہا ہے۔ ٹھیک کہتے ہیں جو انسان اپنے جذبات و احساسات کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتا وہ ان کو معنی اور کوئی نام بھی نہیں دے پاتا اگر دیتا ہے تو غلط' جیسے اس وقت تو کر رہا ہے۔ رامش یار میں جانتا ہوں کہ تو نے بہت دکھ اٹھائے ہیں اور وہ بھی آنٹی کی وجہ سے تو ان سے نفرت کرتا ہے کیونکہ ماں ہو کر انہوں نے تجھے نہیں اپنایا تجھے غیر اہم سمجھا دولت کو زیادہ اہم' تیرا معصوم دل یہ گھاؤ برداشت نہیں کر پایا۔ دھتکارے جانے کا یہ احساس محرومی سے نفرت میں بدل گیا۔ تجھے یہ اپنی بے عزتی' بے قدری بڑے ہو کر بھی یاد رہی بلکہ تیرے ساتھ ہی نفرت بھی پلتی رہی اور ہر عورت کو دولت سے خرید کر تو اپنی بے عزتی کا بدلہ لیتا رہا ہے۔" شاہ زیب اس کے قریب کھڑا اس کے دل کی سنا رہا تھا۔

"تو کیا غلط کرتا ہوں دولت کی کشش میں وہ خود ہی چلی آتی ہیں۔" رامش ڈھٹائی سے بولا۔

"دولت تو اب بھی تیرے پاس ہے اب کیوں نہیں آتیں۔" شاہ زیب نے پوچھا۔

"میرا اپنا دل نہیں چاہ رہا آج کل؟" رامش اکتائے لہجے میں بولا۔

"اور یہ تیرا دل پچھلے آٹھ ماہ سے نہیں چاہ رہا اور کیوں نہیں چاہ رہا میں جانتا ہوں کیونکہ تو محبت کر بیٹھا ہے وہ بھی اس لڑکی سے ساتھ جسے تو شکست دینا چاہتا ہے۔" شاہ زیب کا انکشاف رامش کو چونکا گیا۔

"کیا بکواس کر رہا ہے۔ محبت اور میں ہا نیور واٹ اے جوک؟" رامش قہقہہ لگاتے ہوئے تردید کرنے لگا۔

"تو بے شک نہ مان حقیقت یہی ہے یو آر ان لوود ہر ورنہ آج تک تو نے کسی لڑکی کا اتنا خیال نہیں کیا اتنی دیر تک انتظار نہیں کیا حالانکہ وہ تیرے قریب تھی' تیری پہنچ میں تھی پھر بھی تو اسے حاصل نہیں کر سکا' سچ یہ ہے کہ تو اسے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسے بے عزت نہیں کرنا چاہتا تھا اور یہ اپنی عزیز ہستی کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔" شاہ زیب دلیل دیتے ہوئے بولا۔

"تو پاگل ہو گیا ہے شاہ زیب' صرف فیری کی وجہ سے۔" شاہ زیب نے رامش کو بات مکمل کرنے نہ دی۔

"فیری' اس سے کیوں تجھے اتنا پیار ہے' کیوں ہر نیلی آنکھ والے بچے کو دیکھ کر تجھے فیری یاد آجاتی ہے' کیوں اتنا پیسہ لگایا ہے اس کے علاج پر اور یہ بے چینی و بے کلی بھی اسی لیے ہے کہ تو نہیں جانتا کہ وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو گئی ہے یا نہیں تو اس معصوم میں خود کو محسوس کرتا ہے تو جو تنہا — تھا جس کی ماں چھوڑ کر چلی گئی تھی اور فیری کا باپ اسے چھوڑ کر چلا گیا تو جانتا ہے کسی ایک کے پیار کی تشنگی کس قدر تکلیف کا باعث بنتی ہے اس لیے تو فوراً" فیری کی یہ کمی پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ تیرا... تیرا بہانہ ہے کہ تو فیری کی وجہ سے اس کی ماں کا لحاظ کرتا رہا۔

رامش لاشعوری طور پر تو ایسی ہی مضبوط کردار اور اعصاب کی مالک لڑکی کا متلاشی تھا۔ ایسی ہی قوت ارادی کی حامل لڑکی کو تو اور تیرا دل ڈھونڈتا تھا۔ کیونکہ شعوری طور پر تو عورت اور عورت کی دولت سے محبت

سے خائف ہے۔ تو اس لڑکی کو صرف اور صرف آزماتا تھا کہ کل کو تیرے پاس یہ پیسہ نہیں رہے گا تو کیا تب بھی یہ اتنی ہی مضبوط ہوگی یا آنٹی کی طرح چھوڑ کر چلی جائے گی۔

ہر جگہ ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ تو سب عورتوں کو آنٹی جیسا ہی کیوں سمجھتا ہے سب کو ایک ہی ترازو میں تولنا چھوڑ دے یہ لڑکی اتنی تنگی اور مشکلات کے باوجود تیرے پیسے سے مرعوب نہیں ہوئی آئندہ بھی نہیں ہوگی۔ یہی لڑکی تیری منزل ہے اور یہ جو تصویر کو تو دیکھتا رہتا ہے نا' تو اسے ایک فیملی کی نظر سے دیکھتا ہے' باپ' ماں اور بیٹی مگر تو الجھ جاتا ہے' کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے۔ تو اپنے جذبوں کو نام دینے سے ڈرتا ہے مگر میں نے آج یہ تیری الجھن دور کر دی ہے اور قصہ مختصر کہ تو دونوں سے محبت کرتا ہے بس خود کو ایک بار سچے دل سے ٹٹولو سب آسان ہو جائے گا۔"

شاہ زیب جامد و ساکن متحیر سے رامش کا کندھا تھپتھپا کر بیڈ روم سے باہر نکل گیا۔ رامش متذبذب اور حیران نگاہوں سے تصویر کو دیکھتا کھڑا ہو گیا۔ تصویر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے اندر سکون اور اطمینان اترنے لگا۔

اس نے چھو کر مجھے پتھر سے پھر انسان کیا
مدتوں بعد مری آنکھوں میں آنسو آئے

......*

رادیہ جو چھٹی کے بعد اسکول گیٹ سے باہر نکل رہی تھی' فیری کو اٹھائے رامش آفندی کو دیکھ کر بت بن گئی۔ آنکھیں تحیر اور شاک سے پھیل گئی تھیں رادیہ کو لگا اس کا وہم ہے کیونکہ پنڈی کا یہ ایڈریس صرف مسز حیدری کو معلوم تھا۔ ان کے باعث ہی رادیہ کو یہ جاب ملی تھی۔ یہاں ہاسٹل کی سہولت بھی تھی۔ مگر فیری کے قہقہے بتا رہے تھے کہ یہ حقیقت ہے۔

رامش نے فرنٹ ڈور کھول دیا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی مگر فوراً ہی سوال کر ڈالا۔

"تم کو یہاں کا پتہ کس نے دیا؟"

"بہت بری بات ہے' مشرق میں پہلے سلام دعا ہوتی ہے پھر حال پوچھا جاتا ہے۔ ایم آئی رائٹ اور پھر ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔" رامش دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اسے گھبرایا ہوا دیکھ کر بولا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"میں نے خان بابا کو میسج دیا تھا وہ آپ کو بتا دیں کہ میں آپ کے سارے روپے آہستہ آہستہ کر کے لوٹا دوں گی میں نے کچھ روپے مسز حیدری کو بھجوا بھی دیے ہیں باقی بھی لوٹا دوں گی۔" رادیہ اب تک شاکڈ سی تھی۔ پہلی بات روپوں کے متعلق ہی ذہن میں آئی۔

"ہمارے درمیان ہمیشہ روپوں کی بات ہی کیوں ہوتی ہے اور بھی کوئی بات ہو سکتی ہے۔" رامش کا انداز بدلا ہوا تھا مگر رادیہ اب تک اسے اسی نظر سے دیکھ رہی تھی۔ اس لیے کچھ کچھ خوفزدہ سی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" رادیہ کو اچانک احساس ہوا کہ وہ کافی آگے نکل آئے ہیں۔

"اسلام آباد۔" نہایت سکون سے جواب دیا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا' گاڑی روکو' میں کہتی ہوں گاڑی روکو۔" رادیہ ایک دم ہی حواس باختہ سی چلانے لگی۔

"ریلیکس گاڑی رکے گی مگر اوپن ایئر ریسٹورنٹ پر؟" رامش نے ہمیشہ کی طرح اپنا فیصلہ سنایا بس۔

ریسٹورنٹ پر شام کو ہی رش اور رونق ہوتی تھی اس لیے اس وقت ویران تھا۔ فیری ایک طرف لگے جھولے جھولنے لگی۔

"میں جانتا ہوں کہ میں جو کہنے والا ہوں تم اس پر کبھی یقین نہیں کرو گی الٹا اسے میری گھٹیا ذہنیت کی ایک نئی چال گردانو گی۔ مگر میرا دوست شاہ زیب کہتا ہے کہ انسان کو ایک دفعہ رسک ضرور لینا چاہیے کامیابی اور ناکامی کے برابر کے چانس ہوتے ہیں اس معاملے میں۔" رامش فرنچ فرائز کو کیچپ میں ڈبوتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

رادیہ نے الجھتی نظروں سے رامش کو دیکھا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کچھ نہیں سمجھ پا رہی یا پھر آگے سننے کو بے تاب ہو۔

"نہیں، میں تم سے پیار کرنے لگا ہوں۔" رامش نے اس کی غزالی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا کا واسطہ ہے رامش آفندی تم۔" مگر رامش آفندی نے ہاتھ اٹھا کر اس کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

"کچھ مت کہو، میں جانتا ہوں تمہیں میری باتوں پر اعتبار نہیں آئے گا مگر یہ سچ ہے اس میں کسی جھوٹ کی ملاوٹ نہیں ہے۔ بس ایک بات بتاؤ کیا میں تم کو کبھی یاد آیا تھا، پلیز بتاؤ؟" رامش کا دھیما جذبات سے بھاری لہجہ رادیہ کو گھبرا گیا۔

"جاننا چاہتے ہو تو سنو کہ تم مجھے یاد آئے تھے مگر ایک خوف کی طرح اور پھر کبھی ایک محسن کی صورت جس نے میری بیٹی کی جان بچائی اور جس کی میں مقروض ہوں دیکھو رامش آفندی تمہارے اندر اب بھی ایک اچھا انسان زندہ ہے اسے مت مارو اپنی انا اور ضد کی خاطر انا نیچے کرنا اچھا نہیں ہے اس سے صرف پچھتاوا ملتا ہے۔ میں اس تجربے سے گزر چکی ہوں اس لیے کہہ رہی ہوں۔" رادیہ پہلی بار نرم لہجے میں بولی تھی۔

"یا حیرت کہ تم جانتی ہو کہ میرے اندر ایک اچھا انسان ہے۔" رامش کا انداز کچھ شوخ سا تھا۔

"اندھیرا بڑھ جائے گا، ہمیں واپس چلنا چاہیے؟" رادیہ اس کی نگاہوں کی تپش سے بچنے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

"مجھے جواب نہیں دیا تم نے میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔" رامش اب بھی بیٹھا ہوا تھا۔

"سوری رامش آفندی تم اس بار بھی ناکام یہاں سے جاؤ گے، کیونکہ محبت کا نشہ کتنی جلدی ختم ہو جاتا ہے میں جانتی ہوں میں اس فریب میں نہیں آنے والی۔ بہتر ہے کہ تم کوئی اور منصوبہ سوچو۔" رادیہ سرد اور سپاٹ لہجے میں بولتی گاڑی کی طرف چل دی اور جب منزل سراب ثابت ہوتی ہے تو کیا کیفیت ہوتی ہے یہی حالت رامش کی تھی۔

سرخ سرد اینٹوں کی کوٹھی کے سامنے گاڑی رکی تھی اور رادیہ رامش کے غضب ناک موڈ سے ڈر کر فوراً ہی اتر گئی، راستہ بھر ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ خان بابا مسکراتے ہوئے اس کی طرف آرہے تھے۔

"امی جی آپ یہاں۔" رادیہ نے جیسے ہی کوارٹر کا دروازہ کھولا، اپنی امی کو دیکھ کر چیخ سی پڑی اور پھر دوڑ کر ان کے سینے جا لگی برسوں کی ساری تھکن ماں کے سینے پر اتار دی۔ چھوٹی عالیہ اور بھائی حامد سے مل کر خوب روتی رہی۔

"ابا جی کہاں ہیں۔ آپ لوگ یہاں آئے کیسے؟" رادیہ آنسو پونچھتی ماں سے پوچھ رہی تھی۔

"تمہارے ابا تو اب نہیں رہے۔" امی جی نے گلوگیر لہجہ میں کہا۔

"میری وجہ سے نا امی۔" رادیہ پھر بلک بلک کر رو دی۔

"نہیں، نہیں تمہارے جانے کے ایک سال بعد وہ فوت ہوئے بس ہونا تو وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے، کچھ ماں باپ کی ناعاقبت اندیشی ہوتی ہے، کچھ بچوں کی ہٹ دھرمی، بہرحال جو ہوا سو ہوا ہمیں یہاں رامش لے کر آیا تھا اور ابھی ابھی رامش کے ابو سے فون پر بات ہوئی تھی۔ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ابو بھی آنے والے ہیں ایک دو دن میں، اچھا لڑکا ہے۔ کہنے لگا کہ بڑوں کی دعاؤں کے بغیر تو وہ کبھی آباد نہیں ہو سکتے ہمارا آنا بہت ضروری ہے۔ میں بھی تجھے دیکھنے کے لیے بے چین تھی جب سے میں نے تیری طلاق کا سنا تھا بس دھیان تیری طرف ہی لگا رہتا تھا۔" امی جی ابھی بول رہی تھیں کہ چارپائی کے پاس رکھا موبائل بج اٹھا۔

رامش کے ہونٹوں کے ساتھ گلاس لگا ہوا تھا جب رادیہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔

"دروازہ ہمیشہ ناک کر کے آنا چاہیے، اتنے مینرز نہیں معلوم۔" رامش گرجدار آواز میں دھاڑا۔

"کچھ عادت سی پڑ گئی ہے۔" رادیہ گھبرائی سی بولی۔

"کیوں آئی ہو یہاں، تمہاری بیٹی نہیں ہے یہاں۔" رامش شعلہ بار نگاہوں سے رادیہ کو گھورتا تنے ہوئے چہرے کے ساتھ بولا۔

"کچھ پوچھنے آئی ہوں۔ کیوں رامش آفندی کیوں

تم یہ سب کر رہے ہو میں جاننا چاہتی ہوں۔" رادیہ اب تک بے یقین تھی۔

"جاننا چاہتی ہو تو سنو کہ میں تم کو اپنے ذہن سے نکالنا چاہتا ہوں۔ تم یہاں تھیں مگر وہاں لندن میں تمہارا خیال، تمہاری پرچھائیاں تمہارا سایہ میرے ساتھ ہوتا تھا۔ ہر وقت ہر لمحہ میں جیسے ہی کسی لڑکی کی طرف بڑھتا تھا تم اپنی پاکیزہ صورت لیے میرے سامنے آجاتی تھیں چادر میں لپٹا تمہارا مقدس مجسم میری آنکھوں میں جم جاتا تھا۔ میں پاگل ہو گیا ہوں میری ضد نے کب محبت کی صورت اختیار کرلی میں نہیں جانتا مجھے اس سے آگاہ شاہ زیب نے کیا اور میرے اندر کا تمام اضطراب ختم ہو گیا۔ میرے اندر کا خلا یک لخت بھر گیا۔ مگر شاید عورت کی سچی محبت و الفت میرے نصیب میں نہیں ہے۔

میری ماں نے مجھے پہلے چھوڑ دیا اس لیے کہ اولاد سے زیادہ اسے دولت سے پیار تھا کیا بیٹے بازار میں ملتے ہیں جو اس نے کہا کہ بیٹے اور مل جائیں گے۔ میرے پاپا نے ان کی ہر فرمائش پوری کی بے انتہا چاہا حتیٰ کہ خود کو روگی بنالیا اس عورت کی محبت سے خود کو نکال نہیں پائے جو کب کی ان کو فراموش کر چکی ہے اور تم جانتی ہو کہ میرے اندر ایک اچھا انسان ہے مگر پھر بھی تم کو مجھ سے نفرت ہے، ٹھیک ہے گو ٹو ہیل۔" رامش گلاس کو پٹختا اٹیچ ہال میں چلا گیا۔

"مجھے تم سے نہیں تمہاری عادتوں سے اور کردار سے نفرت ہے۔ تم ایک اچھے انسان بن سکتے ہو اگر بری عادتیں چھوڑ دو تو فیری کی خاطر، فیری کو بہت چاہتے ہو نا تم۔" رادیہ اس سے تھوڑی دور کھڑی بول رہی تھی۔

"اگر میں یہ کہوں کہ سوائے اس کے میں سب کچھ چھوڑ چکا ہوں تو یقین کرلو گی تم، نہیں نا۔" رامش نے گلاس کی طرف اشارہ کر کے خود ہی سوال کیا پھر جواب دے کر ہنس پڑا۔

"ہاں۔" رادیہ نے تمام ہمتیں جمع کر کے کہہ دیا کہ تھوڑی دیر قبل فون پر رامش کے پاپا نے اس سے رامش کی خاطر اس سے التجا کی تھی کہ وہ ہی رامش کے احساس محرومی کی تلافی کر سکتی ہے۔ ایک عورت نے جو اس کے اندر توڑ پھوڑ کی تھی وہ ایک عورت ہی اسے چھوڑ سکتی ہے۔ رادیہ نے ایک بار اپنے پاپا کا دل توڑا تھا اب وہ رامش کے پاپا کو خوش کرنا چاہتی تھی اور پھر سب سے بڑھ کر اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ رامش جو کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔

"واٹ، تم مجھ پر اعتبار کر رہی ہو تم؟" رامش ورطہ حیرت میں ڈوبا پوچھ رہا تھا۔

"ہاں کیونکہ میں جانتی ہوں تم جو دل میں رکھتے ہو وہی کہتے ہو۔" رادیہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"اس کا مطلب یو بلیو آئی لو یو۔" رامش ایک دم ہی اس کے سامنے کھڑا ہو گیا، مسرت بھرے حیرت انگیز احساس کے حصار میں گھرا وہ پوچھ رہا تھا۔ اس کے سچے جذبوں کی گواہی اس کی بے قراری تھی۔ سچائی آنکھوں میں تحریر تھی۔

رادیہ کی دھڑکن یک لخت ہی بے ترتیب ہو گئی تو اس نے پلکوں کی جھالر نیچے گرالی حیا سے سانولے گال تمتما اٹھے تھے۔ دلنواز مسکراہٹ نے لبوں کا احاطہ کرلیا تو وہ تیزی سے باہر جانے کے لیے بڑھی۔

"جاؤ نہیں پلیز۔" رامش نے اسے روکنا چاہا تو گرم چادر کا پلو اس کے ہاتھ میں آگیا اور رادیہ خوفزدہ سی ہو گئی۔

"تم ایک گوہر نایاب ہو، ایک مقدس موتی اور سچے موتی کو سیپ اپنے اندر چھپا کر رکھتی ہے اس لیے اس کی قدر و قیمت کا احساس ہوتا ہے۔"

رامش اسے سراہتے ہوئے قریب آیا اور چادر کو بہت احتیاط اور نرمی سے اس کے گرد لپیٹ دیا اور رادیہ کے اندر تک شانتی ہی شانتی اتر گئی کہ رامش کے اندر کا اچھا انسان اس پر چھا چکا تھا اور یہ شاید پیار کا نتیجہ تھا۔

"بس ایک وعدہ کرو تم مجھے کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤ گی کبھی نہیں، چاہے جیسے بھی حالات ہوں وعدہ کرو۔" رامش کے اندر کا خوف لبوں پر آگیا تھا اور اس نے اپنی چوڑی ہتھیلی رادیہ کے آگے پھیلا دی۔

"میں ہمیشہ تمہارا ساتھ دوں گی۔ یقین کرو۔" رادیہ شگفتگی سے بولی پھر ایک لمحہ اس کی ہتھیلی کو دیکھا مگر پھر اپنا نرم و نازک ہاتھ رامش کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

Digest lovers lovers dot pk

"تھینک یو اب مجھے یقین آگیا ہے کہ تم نے مجھ پر بھروسہ کرلیا ہے، میرا اعتبار کیا ہے۔ یو نو اس ہاتھ کو تھامنے اور چھونے کے لیے میں نے کتنے پاپڑ بیلے ہیں اور اب دیکھو تم نے خود بخود مجھے یہ ہاتھ تھمادیا یو ریئلی ٹرسٹ می۔" رامش اس کے نازک ہاتھ کو دبائے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بول رہا تھا رادیہ کا نظر اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔

"واؤ تم مشرقی لڑکی کی شرمائی لجائی پورٹریٹ لگ رہی ہو۔" رامش اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا مگر رامش نے جیسے ہی گرفت ڈھیلی کی رادیہ نے ہاتھ کھینچ لیا اور رامش ہنستے ہوئے بولا۔

"کم از کم جانے پھر بھی نہیں دوں گا۔ باتیں تو ہو سکتی ہیں نا۔" رامش اس کے جھکے سر کو دیکھ کر آگے بڑھ گیا۔

"یو نو جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو تمہاری سانولی رنگت دیکھ کر پہلا خیال مجھے کیا آیا تھا۔" رامش ہمقدم چلتا بول رہا تھا اپنی کیفیات سے آگاہ کر رہا تھا جیسے ایک بچے کو بہت عرصے بعد کوئی ساتھی کوئی ہمراز ملا ہو۔

ایک پل کے لیے رادیہ کا ذہن اپنی سوچ کی گرفت میں آگیا خدا نے اور اس کی ماں نے غلطی معاف کر دی تھی اس کی تو کیسے قسمت اس پر مہرباں ہو گئی تھی، عرصہ دراز سے روٹھی بہار خوشیوں کی پیامبر بن کر آگئی تھی، مگر شاید اس میں تھوڑا بہت حصہ اس کے راہ راست پر قائم رہنے کا بھی تھا۔ اس نے اپنے ضمیر کو زندہ رکھا تو کردار صاف و شفاف رہا۔ اس نے مجبور و بے بس عورت ہونے کے باوجود ہمت نہیں ہاری دولت کی چکا چوند پر اندھی نہیں ہو گئی ورنہ اس کا حال بھی لیلیٰ کی طرح ہوتا جو آج کل لاہور کے ایک بدنام زمانہ گروہ میں شامل ہو گئی تھی صرف مادی آسائشیں حاصل کرنے کے لیے اس نے عورت کے وقار کو رسوا کر دیا تھا۔

"میرے مالک تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے جو نے مجھے ثابت قدم رکھا آج جو مجھے ملا ہے تیری ہی عنایت و مہربانی ہے۔" وہ جو اپنی سوچوں میں بہہ گئی تھی بے اختیار اس کی جھکی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

"کیا ہوا۔" رامش نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" رادیہ نفی میں سر ہلاتے، آنسو پونچھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

"جو دل میں ہوتا ہے وہ کہہ دینا چاہیے اور آئندہ سے تم کچھ نہیں چھپاؤ گی خاص طور پر مجھ سے۔" رامش مخمور لہجے میں بولتا رادیہ کو اپنا سا لگا۔

"سوچ رہی تھی کہ ایک طویل اور کٹھن مسافت کے بعد خدا نے مجھے کتنی خوب صورت منزل سے نوازا ہے۔" رادیہ کا اعتراف رامش کو سرشار کر گیا۔

"اس خوب صورت منزل کا نام کیا ہے؟" رامش مزید شوخ ہوا مگر رادیہ اس کا مقصد سمجھ کر فقط مسکرا دی۔

"بتاؤ؟" رامش کچھ قریب ہوتے ہوئے جذب سے بولا۔

"رامش آفندی۔" رادیہ نے پیچھے ہٹتے ہوئے جھٹ سے کہہ دیا کہ وہ اس کے قریب آنے سے بوکھلا گئی تھی۔ جانتی تھی کہ یہ شخص پل میں کچھ ہوتا ہے اور دوسرے پل میں کچھ۔

"صرف میرا نام لو، تم ہمیشہ میرا پورا نام لیتی ہو میں صرف اپنا نام سننا چاہتا ہوں۔" وہ بچوں کی طرح ضد کر رہا تھا۔

"لو میرا نام۔" اس کے پیہم اصرار پر رادیہ کی مترنم ہلکی سی ہنسی چھوٹ گئی۔

"انکل۔" فیری اسی لمحے اندر آئی۔

"اوہ ہنی انکل نہیں پاپا۔" رامش اس کے چھوٹے چھوٹے معصوم سوالوں کے جواب دے رہا تھا اور رادیہ کے اندر گہرا سکون اترتا گیا۔ چہرے پر طمانیت رقصاں تھی کیونکہ کڑی تیز دھوپ میں چلنے کے بعد اسے ٹھنڈا سایہ نصیب ہوا تھا اور یہ سایہ وقتی نہ تھا بلکہ وہ ایک گھنے اور مضبوط سایہ دار شجر تلے آئی تھی جو اپنے دل میں جذبہ محبت رکھتا تھا۔ اس کے لیے بھی اور اس کی بیٹی کے لیے بھی اور اس کے سرسبز و شاداب پتوں کی طرح ہمیشہ وفادار اور مخلص ساتھی ثابت ہو گا کہ اس سنجوگ میں بڑوں کی دعائیں بھی شامل تھیں۔

Digest Novels lovers group